ڈاکٹر رفیق احمد

مولانا احسنؔ مارہروی اور ضیا الدین احمد برنی کی مراسلت

ضیا الدین احمد برنی (م ۱۹۶۹ء) نے مارچ ۱۹۶۷ء میں اپنے نام ’’اردو اور انگریزی زبان کے سیکڑوں خطوط میں سے اسی (۸۰) معروف شخصیات کے تین سو (۳۰۰) خطوط پر مشتمل ایک انتخاب ’’خطوطِ مشاہیر‘‘ کے نام سے مرتب کیا تھا ضروری حواشی بھی لکھے تھے، تاہم وہ اسے اپنی زندگی میں شائع نہ کرسکے۔

اس انتخاب میں مولانا ماہرؔ القادری کے بھی چند خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کو پیش نظر رکھتے ہوئے راقم نے برنی اور ماہرؔ کے تعلقات پر ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا جو، اکتوبر ۲۰۰۶ء میں سہ ماہی ’’نوائے ادب‘‘ بمبئی اور چند ترامیم کے ساتھ شعبۂ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور کے مجلّے ’’الماس‘‘ شمارہ ۹، ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس حوالے سے جو معلومات پیش کی گئی تھیں وہ پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئی تھیں۔

برنی پر تحقیقی کام کے دوران راقم کی مسلسل تگ و دو کے باعث برنی کے نام مشاہیر کے کوئی ڈیڑھ ہزار سے زائد خطوط کا وہ ذخیرہ جس سے برنی نے مذکورہ انتخاب مرتب کیا تھا لاعلمی کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں آگیا۔ اس ذخیرے میں بیش تر خطوط نہایت اہم ہیں اور بہت سی شخصیات کے سوانح، فکر اور خدمات کے بعض نئے پہلو سامنے لاتے ہیں۔ علاوہ ازیں بیسویں صدی کے سیاسی، سماجی اور مذہبی منظرنامے پر بھی روشنی ڈالتے ہیں چناں چہ انھیں ایک نوع کی تاریخ کہا جاسکتا ہے۔

اسی ذخیرے میں احسنؔ مارہروی کے چودہ خط شامل ہیں۔ برنی نے اپنے انتخاب میں احسنؔ کے بارہ خط منتخب کیے تھے۔ جو خطوط منتخب کیے ان کے بہت سے حصے بہ وجوہ قلم زد کردیے تھے جس کے باعث بعض مقامات پر عبارت کا نہ صرف حسن متاثر ہوا بلکہ عبارت کی تفہیم کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ چناں چہ راقم نے اس مضمون میں برنی کے نام احسنؔ کے کُل دستیاب چودہ خطوط پیش کیے ہیں۔

شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور کے رسالے ’’تحقیق نامہ‘‘ کے شمارہ مشترکہ ۲۰۰۵ء۔۲۰۰۶ء میں ادارۂ نقوش کے ذخیرۂ مکاتیب سے محمد طفیل مدیر ’’نقوش‘‘ کے نام مشاہیر کے خطوط کی فہرست شایع ہوئی تھی، جس سے پتا چلا کہ ضیاء الدین احمد برنی کے ۸ عدد خط بھی مذکورہ ذخیرے میں شامل ہیں۔

میں نے یونیورسٹی کے چیف لائبریرین عبدالوحید صاحب کو برنی کے خطوط کی فراہمی کے لیے لکھا۔ انھوں نے ۳۰ر مارچ ۲۰۰۷ء کو مطلوبہ خطوط کی عکسی نقول مرحمت فرمائیں۔ یہ ۸ عدد خط محمد طفیل کے نام نہیں بلکہ مولانا احسنؔ مارہروی کے نام ہیں۔

اس مضمون کا بنیادی مقصد برنی اور احسنؔ کے خطوط کے ذریعے دونوں فضلاء کے تعلقات کا جائزہ لینا تھا جو تا حال اہلِ علم کی نظروں سے اوجھل تھے تاہم اس بنیادی مقصد کی تکمیل کے ساتھ ساتھ احسنؔ مارہروی کی زندگی کے آخری چند سال سے

متعلق معلومات بھی ہمارے علم میں آجاتی ہیں، جن میں وہ نہایت پریشان کن بلکہ تکلیف دہ مسائل کا شکار رہے۔ان خطوط میں انھوں نے برنی سے کھل کر اپنے خانگی تردّدات کا اظہار کیا ہے۔

انھی خطوط میں ایک خط ایسا بھی ہے جس میں انھوں نے اپنے تلمیذ عزیز، مصطفیٰ خاں مدّاح (احمق) پھپھوندوی سے سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔احمق کے سلوک سے ان پر کیا گزری اس کا درد انگیز احوال بھی اس خط میں آگیا ہے۔برنی کے نام یہ خطوط اس لحاظ سے اہم ہیں کہ پہلی مرتبہ منظر عام پر آرہے ہیں اور احسن مارہروی نے ان خطوط میں بلا تامل جن باتوں کا تذکرہ کیا ہے ان کا ذکر بھی کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔علاوہ ازیں برنی کے خطوط بھی غیر مطبوعہ ہیں اور دونوں حضرات کے تعلقات کی تفہیم میں خاصی معاونت کرتے ہیں۔

ان پرانے خطوط کا پڑھنا مشکل کام تھا۔احسن کا خط اگرچہ صاف ہے تاہم بعض الفاظ ان سے تحریر میں ایسے آگئے ہیں کہ جنھیں فوری طور پر نہیں پڑھا جاسکا، چناں چہ اُنھیں بار بار پڑھا گیا۔باوجود سخت کوشی کے چند الفاظ اسی سبب سے اور بعض خط کی کہنگی کے باعث قطعی نہیں پڑھے جاسکے۔حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ خطوط کو نقل کرتے ہوئے اُسی املا کو برقرار رکھا جائے جسے احسن اور برنی نے اپنے خطوط میں برتا ہے۔

خطوط کے حقیقی حسن، لطف اور کیفیت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ حصے جنھیں برنی نے پردہ داری کی غرض سے یا بعض وہ مقامات جنھیں طوالت کے باعث حذف کردیا تھا انھیں اصل خطوط سے ملا کر متن میں اپنے صحیح مقام سے جوڑ دیا گیا ہے۔خطوط کے نقل کرنے میں برنی سے جہاں جہاں سہو ہوگیا تھا اسے درست کر کے اصل کے مطابق کردیا گیا ہے۔حواشی اور تعلیقات کے اضافے سے خطوط کی تفہیم کو زیادہ آسان اور مؤثر بنایا گیا ہے۔

احسن اور برنی کے خطوط کو زمانی لحاظ سے سلسلے وار ترتیب دیا گیا ہے تاکہ خطوط کا مطالعہ معاملات و واقعات کو سمجھنے میں آسانی فراہم کرے۔

بہر حال ان خطوط سے پتا چلتا ہے کہ برنی اور احسن کی ملاقات کا آغاز ۱۹۳۴ء سے بمبئی میں ''بزمِ خیال'' کے تحت ہونے والے مشاعرے کے توسط سے ہوا جو ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔یہ وہ زمانہ ہے جب برنی بمبئی سیکریٹریٹ میں اردو فارسی مترجم کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے۔باوجود سرکاری ملازمت کے علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ایک عرصے تک ادبی انجمن ''بزمِ خیال'' کے صدر رہے۔[1]

ممکن ہے برنی اور احسن کی خط کتابت ۱۹۳۶ء کے بعد تک جاری رہی ہو چوں کہ اس سلسلے میں مذکورہ خطوط کے سوا کوئی اور شہادت ایسی نہیں جس سے دونوں فضلاء کے تعلقات کی زمانی مدت کا درست تعین کیا جاسکے چناں چہ انھی خطوط کو پیشِ نظر رکھ کر اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

☆ مذکورہ خطوط اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دونوں کے تعلقات احترام، اخلاص اور محبت کی بنیاد پر قائم تھے۔احسن کو برنی پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے اپنے ذاتی اور خانگی حالات کا تذکرہ اُن سے کھل کر کیا ہے یہی وجہ تھی کہ برنی نے احترام و اعتماد کی پاس داری کرتے ہوئے خطوط میں سے وہ حصے حذف کردیے جن سے اُن کے خیال میں احسن کی شخصیت یا ان کی شہرت پر کوئی حرف آتا۔احسن کے جذبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتنے قلیل عرصے میں برنی نے اپنے حسنِ سلوک سے احسن

کے دل میں ایک سچے اور حقیقی دوست کی جگہ پیدا کر لی تھی جس کے باعث احسن یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ''اپنے چند روزہ سرسری تجربے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ جناب اپنے اخلاق خصوصی سے نمایاں امتیاز کے حامل ہیں'' ''آپ کے خلوص اور بے لاگ شفقتوں نے گرویدہ کر لیا ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں آپ کو نہ بھولوں۔''

چوں کہ دونوں حضرات دنیا میں نہیں رہے اور احسنؔ کے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ منظر عام پر آ چکا ہے لہٰذا ان خطوط کا شایع ہونا درحقیقت ایک نوع کی ادبی خدمت اور ایک طرح کی نیکی، سے کم نہیں۔

ان خطوط میں احسنؔ مارہروی کے سوانح، فکر و خیال اور حلقۂ احباب کے متعلق بعض ایسے نکات سامنے آ گئے ہیں جو اُن کے حوالے سے ہونے والے تحقیقی کاموں پر نظر ثانی کا موجب ہوں گے۔

عبارت میں، جو جو حصے برنی سے نقل ہونے سے رہ گئے تھے یا برنی نے قصداً حذف کر دیے تھے انھیں خطوط وحدانی میں درج کیا گیا ہے اور ان سے متعلق وضاحت تعلیقات کے ذیل میں دے دی گئی ہے۔ برنی کے قائم کردہ حواشی ان کے نام کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ برنی کے حواشی میں بھی اضافہ خطوط وحدانی ہی میں کیا گیا ہے۔ اب احسنؔ اور برنی کے خطوط سلسلہ وار ملاحظہ فرمائیے۔ خطوط ہی کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ برنی کے تمام خطوط جو احسنؔ کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے تھے دستیاب نہیں ہو سکے ہیں، جو ہو سکے ہیں انھیں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

مورخہ یکم ستمبر ۱۹۳۴ء
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
انجمن حدیقۃ الشعر شفیق، صدر

محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بزمِ خیال[۲] کے مشاعرے کی شرکت سے امید تھی کہ اس سلسلے میں جن اصحاب و احباب سے شرف ملاقات حاصل ہوگا ان میں سب نہیں تو دو چار سے ضرور ایسی خصوصیات قائم ہو جائیں گی جن سے نظامِ تمدن کے ماتحت لطفِ معاشرت حاصل رہے گا، نیز اردو زبان کی خدمات میں اضافہ ہوگا لیکن اس ہنگامہ آرائی کے بعد یہ خواب ہنوز تشنۂ تعبیر ہے۔ وہاں سے آنے کے بعد مجھ پر کیا گزری یہ ایک جداگانہ داستان ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ بہر حال بزمِ خیال اور اراکین انجمن کی یاد اور تصور اب تک باقی ہے اور ہر وقت یہ احساس ہے کہ اس میدان میں خدمت گزاری کا کوئی موقع ہاتھ آئے اور اپنے قدر افزاؤں سے مراسم خصوصی قائم رہیں۔ واپسی کے بعد آپ کے علاوہ چشتی صاحب[۳] آرزو صاحب[۴] وغیرہ کی خدمت میں نیاز نامے بھیجے۔ فی الوقت کسی کا جواب نہیں ملا۔ مدت کے بعد چشتی صاحب کا نوازش نامہ ملا جس میں موصوف نے اپنی علالت کا ذکر کرتے ہوئے میری غزل طلب کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ آخر جون [یا] انتہائی اوائل جولائی میں گلدستہ (کارنامۂ مشاعرہ) شائع ہو جائے گا۔ اُس وقت سے اِس وقت تک پھر صدائے برنخاست۔ گلدستہ شائع ہوا یا نہ شائع ہوا اس کی مجھے نہ خواہش نہ تلاش۔ مدعا یہ ہے کہ اگر اہل ذوق میں باہم تعارف و تخاطب قائم رہے تو دنیائے تمدن کے لیے ایک مفید عمل در آمد ہے۔ خدمت والا میں بارہا خط لکھنے کا ارادہ کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ ''بزمِ خیال'' کی شوراشوری کے بعد اہل ذوق کی بے نمکی دیکھ کر مذاق دل پھیکا پڑ گیا۔ ادھر کچھ کاموں کی

زیادتی کے سبب فرصت نہ ملی ورنہ اپنے چند روزہ سرسری تجربے کے بعد یہ رائے قائم کی تھی کہ جناب اپنے اخلاق خصوصی سے نمایاں امتیاز کے حامل ہیں۔ آج اُس ارادے کو قوت سے فعل میں لا رہا ہوں اور اخلاص نامہ حاضر کر کے امیدوار ہوں کہ خیریت مزاج اور کوائف متعلقہ سے یاد و شاد فرمایا جائے۔

آپ نے شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کے حالات کا ترجمہ ختم کر لیا یا ابھی نہیں۔ اگر وہ مرتب ہو گیا تو اس کی اشاعت کی نوبت آئی یا نہیں۔[۵]

مسلم یونی ورسٹی کے متعلق جو خیال تھا وہ تو سید راس مسعود صاحب کے بعد کم از کم فی الحال ختم ہی ہے[۶]، لیکن اگر وہ ترجمہ مکمل ہو گیا ہے تو مجھے ایک کاپی بھیج دیجیے۔ بعد مطالعہ عرض کروں گا کہ یہاں اس کی بابت کیا تدبیر ہو سکتی ہے یا ہونی چاہیے۔

مجھے بھی چند باتیں بہ طور مشورہ انسانی اور اسلامی ہمدردی کے ماتحت پیش کرنی ہیں، مگر اس کے لیے بہ غیر ایمائے عالی کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر اس کا جواب عطا ہو تو عرض کروں گا۔ مسلم یونی ورسٹی میں موسم برشگال کی تعطیل ۱۵ر ستمبر سے ۷ر اکتوبر تک ہونے والی ہے۔ ایک خفیف سا ارادہ ہو رہا ہے کہ اگر موقع ہاتھ آ گیا تو شاید یہ دو۔ تین ہفتے بمبئی میں گزاروں[۷]۔ اگر ایسا ہوا تو انشاء اللہ دوبارہ لطف نیاز اور شرف ملاقات حاصل کروں گا۔

فضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ مزاج عالی بہ خیریت ہوگا۔ والسلام بالاکرام۔

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

لیکچرار مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

(۲)

سکریٹریٹ۔ بمبئی

۷ر ستمبر ۳۴ء

مولینائے محترم۔ تسلیم۔ مشاعرہ کے بعد سے جناب کا یہ پہلا خط ہے جو مجھے موصول ہوا ہے۔ آپ نے جس ''بے نمکی'' کی شکایت فرمائی ہے وہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن میں بھی چاہتا ہوں کہ اس درمیانی مدت میں جو بپتا مجھ پر پڑی ہے اسکی بھی اطلاع جناب کو کر دوں۔

مشاعرہ اپریل کی پہلی اور دوسری تاریخ تک رہا۔ اسکے بعد سے جو میری بیوی بیمار پڑیں تو وہ سلسلہ ۸ر جون تک منقطع نہ ہوا اور یہ وہ خوفناک دن ہے جس دن وہ مجھے اور تین چھوٹے بچوں کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئیں۔ ان کی عام حالت ایسی نہ تھی جس سے یہ گمان ہوتا کہ وہ اس قدر جلد چل بسیں گی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ وہ بتدریج سنبھل رہی ہیں۔ دراصل کمزوری کے ساتھ ساتھ انہیں ہر وقت وہمی خطرات گھیرے رہا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ایسے مرض کو نیورستھینیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایک دن قبل تک ڈاکٹروں نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ بہر حال۔۔۔[۸] کے بعد سے میری حالت دگرگوں ہو گئی ہے اور میرا سارا وقت بچوں کی دیکھ بھال میں یا ملازمت میں گذر جاتا ہے۔ ایسے افعال بالکل غیر ارادی طور پر ظہور میں آ رہے ہیں لیکن جو شخص میری حالت سے واقف نہیں وہ ممکن ہے اسکے غلط معنی پہنا سکتا ہے۔ بہر حال میں آپ کو اپنی طرف

سے اور اپنے احباب کی طرف سے اس امر کا یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم سب نے آپ کو ہمیشہ یاد رکھا اور کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو پھر بھلا دیں۔ بقول غالب ؎

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

ہر شخص اپنی اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہے اور اسلیئے میں آپ سے درخواست کرونگا کہ آپ فیاضانہ سلوک روا رکھئے بالفاظ دیگر سوءِ ظن سے کام نہ لیجئے۔ گلدستہ کی طباعت میں دیر اسلیئے ہو رہی ہے کہ ہماری مالی حالت قدرے خراب ہوگئی ہے۔ ابھی تک اس مشاعرہ کے بعض بل ادا نہیں ہوئے اور جب تک وہ رقم ادا نہ ہو جائے سکون قلب نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ کی یہ خواہش نہایت مبارک ہے کہ باھم ارتباط کا سلسلہ قائم رکھنا چاہیے اور میں کوشش کرونگا کہ وہ قائم رہے۔

کتاب کا ترجمہ تو عرصہ ہوا ہو چکا ہے اور ''زمانہ'' میں ماہ بہ ماہ شائع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن کتابی صورت میں شائع ہونے کے لئے صرف دس بارہ باب تیار ہو سکے ہیں۔ دو تین باب رہ گئے ہیں اور اپنی پریشانیوں کی وجہ سے اسپر توجہ نہ کر سکا۔

خیال ہے کہ اس ماہ کے آخر میں اس کام کو ختم کر لونگا۔ انشاء اللہ۔۹ میں چاہتا ہوں کہ صدر یار جنگ صاحب کو اس بارے میں لکھوں شاید کانفرنس ۱۰ کی طرف سے کتابوں کی خریداری کی مشکل میں کچھ امداد مل سکے۔ براہ کرم اُن کے پتے سے مطلع کیجئے۔ غالباً وہ علیگڈھ ہی میں قیام پذیر ہونگے۔

بہر حال میں آپ کی چند باتوں کے سننے کا منتظر ہوں اور اسلیئے آپ کے جواب کا بیتابی کے ساتھ منتظر ہوں گا۔

چشتی صاحب کی بیوی بھی اس اثنا میں بہت بیمار رہیں۔ وہ اب اس قابل ہوئی ہیں کہ بمبئی آسکیں شاید ہفتہ دو ہفتہ میں بمبئی آجائیں۔ وہ میرٹھ گئے ہوئے ہیں اور ابھی تک واپسی نہیں ہوئی۔ مولینا خجندی صاحب بھی اپنے والد صاحب کے عرس کے سلسلے میں میرٹھ گئے ہوئے ہیں۔ کل یا پرسوں اس خط کا مضمون آرزو صاحب کو سنا دونگا۔ امید ہے آپ بخیر ہونگے۔

والتسلیم، نیاز مند

ضیاء الدین احمد برنی

حشمت علی صاحب آپ کے ایک طالب علم ہیں جو بمبئی میں چندہ جمع کرنے کے لیے آچکے ہیں۔ ان کے پتے سے مطلع فرمایئے۔ بشرطیکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔۱۱

(۳)

۱۰ ستمبر ۱۹۳۴ء
مسلم یونیورسٹی علیگڑہ

کرم فرما السلام علیکم۔ نوازش نامہ ۷ ستمبر کا لکھا ہوا پہنچا۔ کرم فرمائی کا شکر گزار ہوں اور اپنی لاعلمی [و بے خبری پر شرمسار ہوں کہ ایسے موقع پر ایسا خط کیوں بھیجا جس کے جواب میں آپ کو وہ الفاظ لکھنے پڑے جس سے میں بجائے خود شرمندہ ہوا]۱۲ خانہ ویرانی اور رفیق زندگی سے جدا ہو جانے پر اور خصوصاً اس حالت میں کہ مرحومہ اپنی یادگاریں بھی چھوڑ گئی ہوں، ایک متمدن و مہذب مرد کے لیے قیامت کی مصیبت ہے بلکہ اس سے زیادہ کیوں کہ قیامت تو کل آئے گی، یہ بلا آج ہی نازل ہوگئی۔۱۳

۳ برس سے مجھے بھی یہ صدمہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے اور یہی وہ مصیبت ہے جس کا اشارہ چند باتوں کے سنانے میں کیا گیا ہے۔[۲۴] اللہ تعالیٰ آپ کو گزشتہ سانحے کے تاثرات [سے] مطمئن فرمائے اور باقیات الصلحات کو بہ حفاظت تمام پروان چڑھائے۔ مجھے اس غم میں اپنا شریک سمجھیے۔

مشاعرے کے سلسلے میں جس عدم اعتنائی کا شکوہ کیا گیا تھا وہ خدانہ خواستہ ایسا نہ تھا کہ آپ اس کا اتنا اثر لیتے، خصوصاً ان حالات پر کون بے درد ہوگا جو کسی قسم کا گلہ شکوہ کر سکے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ مخلصانہ اور نیاز مندانہ تھا نہ مخالفانہ و معاندانہ۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ تمہید تھی اس تقریب کی کہ باہم ارتباط قائم ہو۔

کتاب معلومہ کے ترجمے کی بابت کانفرنس سے تحریک بے موقع اور نامناسب تو نہیں مگر محترما! مقامی حالات کو دور کے رہنے والے پوری طرح باور نہیں کر سکتے۔ ایسے اداروں کے متعلق جتنے اعلانات وغیرہ ہوتے ہیں وہ ایک قسم کا پروپگنڈا ہوتا ہے اور ہاتی کے دانتوں کی طرح صرف دکھانے کے۔ اور اگر مطلب برآری کی کوئی صورت ہو سکتی ہے تو فی زمانہ صرف اثر خاص اور رعایت کے ماتحت۔

آپ نواب صدر یار جنگ کو لکھیے، مگر میں [یہ] نہ سمجھ سکا کہ کانفرنس کی طرف سے کتابوں کی خریداری کے اشکال کا کیا بندوبست ہوگا۔ اگر اس باب میں وضاحت سے کچھ لکھیے تو یہاں کے حالات اور معمولات کو دیکھتے ہوئے عرض کروں۔ نواب صاحب موصوف کی کوٹھیاں علی گڑھ میں بھی ہیں اور اکثر وہ یہاں آتے رہتے ہیں اور قیام کرتے ہیں۔ مگر اصل مستقر ان کا حبیب گنج ہے۔ وہیں خط بھیجیے۔ [پتا یہ ہے۔ حبیب گنج ضلع علیگڑھ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمان صاحب شروانی۔ علیگڑھ کے پتے میں صرف کوٹھی بنادیوی کافی ہے۔] حشمت علی ایک طالب علم ہیں جو غالباً ایم۔ اے کلاس میں ہیں اور وہی چندہ جمع کرنے کے لیے بمبئی گئے تھے۔ اور سنا ہے کہ ایک ہزار نقد لائے تھے اور ۲ ہزار کے وعدے لائے تھے [، ضلع اناو (اودھ) کے رہنے والے ہیں اور فی الحال ان کا پتا۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ عثمانیہ نمبر ۴۰ ہے۔]

[اب میں اپنی چند باتیں سنانا شروع کرتا ہوں۔ اپنی غرض اور ضرورت کے لحاظ سے مجھے یہ سارا خط اسی مطلب میں سیاہ کرنا چاہیے تھا اور بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک اسی داستان کو پھیلاتا لیکن چوں کہ وہ ذاتی مدعا ہے اور ایسا مدعا جس میں فی زمانہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان مبتلا ہیں اور طرح طرح سے ایسے مدعا کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ مجھے تامل اور اسی کے ساتھ حجاب ہو رہا ہے کہ کیوں کر اپنے مطلب کا اظہار کروں مگر چوں کہ بات زبان تک آ چکی ہے اس لیے مختصراً قلم بند کرتا ہوں اب اُسے پڑھ کر مجھے ملامت کیجیے یا ہدایت۔ بغیر کسی مزید تمہید کے عرض ہے کہ میں بمبئی کے ایسے متمولین اور اہل خیر سے ملنا چاہتا ہوں جو اپنے سینوں میں دل درد مند رکھتے ہوں اور کسی شریف اور صحیح حاجت مند کی امداد کر سکتے ہوں۔ ایسی ضرورت مجھے کیوں لاحق ہوئی یہ بڑی داستان ہے خلاصہ یہ ہے کہ میں ۳۔۲۔ ہزار کے درمیان اس قسم کی امدادی رقم چاہتا ہوں کہ اگر وہ بطور قرض حسنہ مل سکے تو اس کے حصول کی خاطر بمبئی آؤں اور آپ کے زیر ہدایت وہاں تک پہنچوں۔ مثلاً داؤدی بوہروں کے پیر ملا طاہر الدین سیف صاحب یا کوئی اور۔ یقیناً اتنے جملوں سے آپ میرا مدعا بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ اب اگر اس باب میں سلسلۂ رسل و رسائل جاری ہوگا تو قصد حاضری کر سکوں گا یا اور وضاحت لکھ سکوں گا اور اگر آپ کے تجربہ و علم کے مطابق ایسی کوئی تحریک بمبئی کے لیے مفید و کار آمد نہ ہوگی تو النصیب یُصیب کہ کر رضینا بقضاء اللہ پڑھوں گا۔ اس کے ساتھ بحالت اجرائے کار چند

دنوں کے لیے رازداری کا امیدوار ہونا چاہتا ہوں۔ نیز بغرض کاربرآری ۱۵ استمبر سے ۷ اکتوبر کا زمانہ متعین کروں گا۔ کیوں کہ ان ایام میں یونیورسٹی کی تعطیل ہے اور میں آزاد رہوں گا۔ زیادہ زیادہ] امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔ والسلام بالاکرام ۱۵

خاکسار

احسن مارہروی لکچرار مسلم یونیورسٹی

۹۴۔ چھتہ لال میاں۔ دہلی

مکرمی و محترمی مولانا۔ تسلیم

میں دو تین [دن] آگرہ ٹھہرنے کے بعد دہلی آیا اور جب سے آیا ہوں اسوقت سے ارادہ کررہا ہوں کہ آپ کی خدمت میں خط لکھوں اور بمبئی کے واقعات معلوم کروں جو میری روانگی کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ براہ کرم اپنی اولین فرصت میں مجھے اُن سب امور سے واقف کیجئے۔ ذاتی طور پر مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کے لئے مفید ثابت نہ ہوسکا۔

آپ نے ایک مرتبہ دوران گفتگو میں فرمایا تھا کہ علیگڈھ کالج میں وہ تمام لٹریچر جمع ہے جو سرسید مرحوم کی زندگی میں ان کے خلاف معرض تحریر میں آیا تھا۔ مجھے صرف چند نظموں کی ضرورت ہے جو ان کے خلاف لکھی گئی تھیں اور وہ بھی ایک مضمون کی تکمیل کے سلسلہ میں چاہییں۔ مجھے امید ہے آپ یہ زحمت میرے لئے گوارا کرنا پسند فرمائینگے۔

حشمت صاحب (طالب علم ایم اے کلاس) کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ معلوم نہیں انہوں نے کیوں جواب نہیں دیا۔ وہ آپ سے جب ملیں تو ذرا تقاضا فرمادیجئے۔

امید ہے آپ کے متعلقین بخیر ہونگے۔

''عودھندی'' آپ یقیناً بھیجدینگے۔ مجھے انتظار رہیگا۔ آپ کے صاحبزادہ اگر بمبئی میں ملازمت کے خواہاں ہوں تو وہ مجھے اسکے بارے میں نومبر کے ابتدا میں تحریر فرمائیں۔ اس وقت کے ۔۔۔ ۱۶ دیکھکر میں جو مشورے دے سکونگا۔ دونگا۔

والتسلیم

ضیاءالدین احمد برنی

راس مسعود صاحب کی آمد کا حال میں نے کسی اخبار میں نہیں پڑھا۔ برنی ۱۷

(۴)

۱۱۲ کتوبر ۱۹۳۴ء

مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

ذکاءاللہ روڈ نمبر ۴

شفیق حالم۔ تسلیم۔

بمبئی کے ناکام سفر میں آپ ہی تو ایک کام کے آدمی ملے ہیں اور آپ ہی یہ فرماتے ہیں کہ میں مفید ثابت نہ ہوسکا۔ معاملات اور ایسے معاملات جن میں کچھ خرچ کرنا پڑے، اخلاق و اخلاص انسانی کے پرکھنے کا موقع دیتے ہیں اور ایسے ہی وقت کھرے، کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے، یہ حقیقت ہے کہ اس معیار پر میرے لیے:

نہ نکلا کوئی بات کا اپنی پورا
جو نکلا تو بس ایک منصور (برنی ہی) نکلا

آپ کے بعد کے واقعات کا خلاصہ یہ ہے [سیٹھ باولے کے ارشاد پر دوسرے روز ۳ بجے زکریا بلڈنگ (آفس) میں گیا۔ شب پیوستہ کی ملاقات سے زیادہ کشادہ دلی اور اخلاق سے ملے۔ میں نے وضاحت سے اپنا مدعا کہا جس کا خلاصہ یہ کہ میں بھی ایک ٹرسٹ کا ٹرسٹی ہوں اور ۔۔۔۱۸ مخالف واقعات کے مضر اثرات سے پریشان ہو رہا ہوں اور غالباً دو ایک مہینے ہی میں ایک جائداد میرے قبضے سے نکل جائے گی۔ اگر اس کے انسداد کی عوض کم از کم رقم نہ پہنچ جائے۔ نہایت اخلاق سے پوچھا کہ کتنا بیلنس ہوگا میں نے کہا کہ اس وقت کم سے کم 500 فراہم ہو جائیں تو ۴۔۶ ماہ کے لیے مطمئن ہو سکتا ہوں جس میں 200 اللہ بخش صاحب نے دلوا دیے ہیں 300 اور چاہییں۔ اس وضاحت کے بعد فرمایا کہ میں موسیٰ قلمدار کو ٹیلیفون سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ آفس میں ہیں یا کہاں تا کہ وہ اور میں مل کر اس رقم کو پورا کر دیں۔ چناں چہ وہیں بیٹھے بیٹھے ۳۔۴ بار فون سے باتیں کیں معلوم ہوا کہ وہ مکان پر موجود نہیں پھر مجھے کہا کہ ۳/۱ بجے آیئے اُس وقت ان کی ملاقات کا وقت ہو جائے گا۔ چناں چہ مقررہ وقت پر گیا کہا کہ اس وقت کچھ معلوم نہ ہو سکا کل ۱۱ بجے میرے مکان پر آئیں اس وقت آپ کو اپنے ساتھ لے کر قلمدار صاحب کے پاس چلوں گا۔ میں نے کہا کہ میں آج جانے والا تھا صرف آپ کی وجہ سے رک گیا۔ ایسا نہ ہو کہ کل بھی کچھ نہ ہو اور میں فضول پریشان ہوں فرمایا کہ نہیں ایسا نہ ہوگا آپ ۴/۱ بجے تک فارغ ہو جائیں گے۔ حکم اور امید نے ٹھہرنے پر مجبور کیا، ٹھہر گیا اور حسب قرار داد دوسرے دن ۱۱ بجے ان کے مکان پر گیا اور ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد وہ نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ ان سے کل کوئی بات نہ ہو سکی مناسب ہے کہ آپ ۳/۱ بجے میرے آفس میں آیئے اُس وقت اُن سے ملا جائے میں نے کہا کہ وقت بہت کم ہے اور یہ آخری موقع ہے اگر اس وقت بھی قلمدار صاحب نہ ملیں تو آپ خود جو دینا چاہیں وہ عنایت کر دیجیے گا۔ فرمایا کہ ہاں ضرور۔ ان زندہ وعدوں اور جیتے جاگتے الفاظ کے ساتھ پھر امید تازہ ہوگئی اور یہ ۲۔۳ گھنٹے بہت بے چینی سے گزار کر ۳/۱ بجے زکریا بلڈنگ پہنچا۔ وہاں جاتے ہی ایک اردلی نے کہا کہ سیٹھ صاحب کسی کمیٹی کی شرکت کے لیے گئے ہیں اور یہ کہہ گئے ہیں کہ میری واپسی نامعلوم وقت تک ہوگی آپ وہاں جہاں جانا ہے جایئے۔ یہ جواب سن کر جو حالت ہونی چاہیے اس کا اندازہ خود فرما لیجیے۔] بہر حال بصد مایوسی و ناکامی و ہزار رسوائی و پریشانی واپس ہوا اور اسٹیشن آنے کا سامان کرنے لگا۔

اب دوسری تفضیح سنیے، احمق ۹۱ کے ساتھ لانے اور ان کے باردانے کی ذمے داری کا مختصر حال تو سنا چکا ہوں۔ خیال تھا کہ وہ بمبئی آ کر میرے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے لیے میری طرح کوشش و تدبیر کریں گے، لیکن انھوں نے ایسا کند ھاڈالا کہ ٹریم کے کرائے اور کپڑوں کی دھلائی کے لیے بھی [ایک روپیہ صرف نہ کر سکے اور ایسے مصارف لیتے لیتے اتنے بڑھے کہ خرید اشیاء تفریحی کے لیے بھی] مجھ سے کچھ روپیہ مانگنے لگے۔ میں نے انکار کر دیا اور بہ نرمی سمجھایا کہ تم کو کم سے کم اپنی ایسی ضرورتوں کے لیے تو کچھ کرنا چاہیے۔ جب مجھ سے صرف زائد حاصل کرنے سے ناامید ہوگئے تو اس دن جس دن کہ واپسی کا قصد تھا اور میں [باولے صاحب] کے ہاں آنے جانے میں سرگرداں تھا اس حالت میں کہ مبتلائے بخار تھے ایک شخص کو لے کر کہیں گئے۔ ذرا دیر کے بعد دیکھا کہ ان کا ہم راہی چند چیزیں لیے ہوئے [چلا آتا ہے] جس میں ایک ٹارچ، ایک شیشے کا جگ اور ایک کیرم بورڈ وغیرہ تھا، لیے چلا آتا ہے جو یقیناً ۱۰۔۱۲ روپے کا سامان ہوگا۔ ذرا دیر بعد خود آ گئے۔ میں نے پوچھا کہ یہ سامان کہاں سے لائے کہا

کہ حامی صاحب سے روپے قرض لیے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان فضولیات کے لینے کی کیا ضرورت تھی میری حالت جو ہو رہی ہے ،ظاہر ہے یہ روپیہ کرائے کے لیے رہنے دیا ہوتا۔ جواباً کہا کہ اس کی فرمائشیں تھیں اور میں ان کے لینے پر مجبور تھا۔ اس پر میں نے معمولاً نصیحانہ الفاظ کہے اور ذرا خفگی کے انداز سے کہا کہ میں مجبور ہوں واپسی کا کرایہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اس کا بندوبست بھی خود کیجیے۔ اس کے جواب میں اس نالائق نے تیور بگاڑ کر کہا کہ آپ کو کرایہ دینا ہوگا۔ آپ مجھے کیوں ساتھ لائے، وغیرہ وغیرہ۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے اور ایسے شخص جو میرا شاگرد بھی ہو اور برسوں سے فرزندانہ انداز سے رہتا اور ملتا ہو اور اس وقت میری غلطی ہی سہی مگر میرا ماتحت بن کر آیا ہو، اس کی زبان سے ایسے الفاظ سن کر میرا کیا حال ہوا ہوگا۔ مگر ضبط کیا اور صرف اتنا کہا کہ میں کرایہ نہ دوں گا۔ یہ کہہ کر میں [باو چلے] صاحب کے ہاں چلا گیا۔ وہاں سے واپس ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنا سامان لے کر کوئی اسمٰعیل چونہ والے ہیں اور جہاں ان کے پیر یا پیرزادے آئے ہوئے ہیں، چلے گئے اور وہاں سے ایک رقعہ فضل شاہ ۲۰ کے نام بایں الفاظ بھیجا کہ احسن مجھے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہاں آ کر مجھے چھوڑے جاتے ہیں اور کرایہ نہیں دیتے۔ آپ ان سے کرایہ دلوا دیجیے ورنہ میں زبان اور قلم سے ان کی اچھی طرح خبر لوں گا۔ ان بدتمیزیوں نے مجھے اور زیادہ برہم کیا۔ مگر فضل شاہ صاحب کے اصرار نے مجبور کر دیا اور وقت کی نزاکت اور روانگی کی پریشانی نے گھبرا لیا اس لیے ۱۴ روپے واپسی کے کرائے کے فضل شاہ کو دے دیے کہ وہ ان کو دے دیں۔

اب تیسری اور آخری بپتا سنیے [سید فضل شاہ سے میں چند روز پہلے ہوٹل میں قیام وطعام اور ان کی اخلاقی آؤ بھگت، خاطر و مدارات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہہ چکا تھا کہ میں آپ کے احسان و کرم کا بہت بہت ممنون ہوں مجھے اپنے کرایہ ہوٹل کے متعلق ایسا چارج کیجیے جس سے آپ کا ذاتی نقصان نہ ہو اس عرض پر انھوں نے کئی مرتبہ بکشادہ دلی فرمایا اس ذکر کو بار بار نہ کیجیے میں نے کوئی احسان نہیں کیا اور میں آپ سے کرایہ نہ لوں گا اور اس خدمت کو میری نیازمندانہ نذر سمجھیے وغیرہ وغیرہ۔ میں ان کے ان الفاظ کو بے معنی نہیں سمجھتا تھا بااین ہمہ یہ خیال تھا کہ کم از کم کھانے میں جو صرف ہوا ہوگا وہ ضرور پیش کر دوں گا اور اس کا تخمینہ میں نے ۲۵۔۳۰۔ انتہا ۴۰ روپے سمجھ لیے تھے۔ اب جب کہ اسباب بندھ چکا تھا اور روانگی میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا اور متذکرہ بالا سب تفضیح آمیز واقعات ہو چکے تو میں نے تنہائی میں شاہ صاحب سے کہا کہ میں آپ کی عنایتوں کا بے حد ممنون ہوں چاہتا ہوں کہ جو صرف خوراک میں ہوا ہو وہ بتا دیا جائے اس کے جواب میں انھوں نے اپنے پہلے کہے ہوئے الفاظ میں سے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ اپنے لڑکے کو آواز دی اور اس سے پوچھا کہ آپ کا بل کہاں ہے اس نے معاً جیب سے بل نکال کر دیا دیکھا تو 190/ کا بل تھا اسے دیکھ کر میں تصویر حیرت بن گیا۔ شاہ صاحب نے اپنی طرف سے بڑے ایثار کے ساتھ دیا کہ اس میں سے 40 روپے میں نے مجرا یعنی معاف کر دیے ہیں 150 روپے ادا کر دیجیے۔ برنی صاحب اب مجھے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ سر سہلا کر بھیجا کھا جاتے ہیں مختصر یہ کہ مجھ سے کچھ نہ کہا گیا اور کہتا تھا [کیا؟] اس وقت کے تیور ہی ایسے تھے کہ اگر کچھ کہتا تو اسباب اور اسباب کے ساتھ میں خود محصور و مقہور ہوتا۔ قہر درویش بر جان درویش۔۔۔۔ روپے ۱۲ فوراً پیش کیے اور سو روپے کے لیے 5 ماہ میں ادا کا وعدہ لکھا جس کو 5 قسطوں میں بھیجوں گا۔] غرض بعد خرابی بصرہ مصور صاحب ۲۲ کی موٹر پر اسٹیشن آیا اور ۶ بجے کے پنجاب میل سے روانہ ہوا۔ راستے میں اس صدمے سے بخار آ گیا۔ زکام کے کچھ کچھ آثار پہلے سے موجود تھے۔ دوسرے روز آگرہ کینٹ پہنچا تو سخت بخار میں مبتلا تھا۔ علی گڑھ آ کر بخار اور قبض اور خدا جانے کن اندرونی صدمات کے اثر کا نتیجہ

یہ دیکھا کہ ناک سے مسلسل خون آنے لگا۔ دوروز یعنی گزشتہ کل تک اس قابل نہ تھا کہ تکیے سے سر اٹھا سکتا۔ آج آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ اتنی دیر سر جھکا کر لکھنے کا اثر پھر ریزش خون نہ ہو۔ خط بہت طول ہو گیا ہے۔ زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں۔ آپ منتظر ہوں گے اس لیے یہ ۴ صفحے گھسیٹ دیے۔ اگر ممکن ہو تو دہلی سے علی گڑھ دور نہیں ایک وقت کے لیے کرم فرمائی سے مرہون و معزز فرمایئے۔ حشمت صاحب کو میں اس وقت دیکھوں گا۔ اگر ملے تو آپ کا پیام پہنچاؤں گا۔ عود ہندی بمبئی بھیجوں یا دہلی مناسب تو یہی ہے کہ آپ ایک وقت کے لیے تشریف لا کر سرفراز فرمائیں۔ سرسید کے متعلق مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کے لکھے ہوئے الفاظ کس سلسلے میں عرض کیے تھے۔ بہر حال یہ تو یقین ہے کہ ان کی علمی اور مذہبی مخالفتوں کے متعلق مضامین انسٹی ٹیوٹ گزٹ وغیرہ میں ملیں گے۔ مگر نظموں کی بابت ابھی نہیں کہہ سکتا۔ کسی خاص نظم کا عنوان وغیرہ معلوم ہو تو تلاش کروں۔ میرے ایک دوست سرسید وغیرہ کے تصانیف کے متعلق واقفیت رکھتے ہیں وہ ابھی ملے نہیں ہیں ان سے مل کر اس خصوص میں معلومات بہم پہنچادوں گا اور حتی الامکان اس خدمت کو انجام دوں گا۔ اس [کا] جواب بہ واپسی عطا ہو اور اپنی تشریف آوری کے مژدے سے مسرور کیا جائے۔ امید ہے کہ آپ بہ خیریت ہوں گے اور بچے جامعہ ملیہ میں داخل ہو گئے ہوں گے۔ ۲۳ علی گڑھ پہنچ کر میرے پتے کے لیے میرا عرف (احسن) اور تار کا بنگلہ کافی ہے۔ اگرچہ اب تار کا بنگلہ نہیں رہا اور وہ ذکاء اللہ روڈ نمبر ۴ سے بدل گیا ہے پھر بھی تانگے والے پرانا نام زیادہ جانتے ہیں۔ ہمہ تن مژدہ قدوم کا منتظر ہوں۔ باقی باقی۔ والسلام۔

آپ کا مخلص

احسن بے نور۔

راس مسعود صاحب میرے سامنے ۵ کو بمبئی آ گئے تھے ابھی یہاں نہیں آئے ہیں۔ شاید بھوپال ہیں۔ ۲۴

(۵)

۱۸ را کتوبر ۱۹۳۴ء

شفیق محترم۔ سلام خلوص۔ ذرا انتظار کے بعد کرم نامہ ملا۔ آپ کو شاگرد و استاد کے معاملے میں ناحق حیرت ہوئی، جو کچھ ہوا حق بہ جانب ہوا۔ بہ طور مثل یہ شعر مشہور ہے جس کی مطابقت لازمی تھی۔

کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

[حیرت تو فضل شاہ کے معاملے پر ہے کہ اُن بزرگ نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ ایسے کھلے کھلے الفاظ میں میری دل افزائی فرمائی کہ مجھے کوئی وجہ شبہ کی نہ تھی کیوں کہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ ہوٹل کے منیجر باوجود Business man ہونے کے اپنے احباب خصوصی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ رعایت کرتے ہیں کا مژدہ دو تین مہینے کے بعد جو گفتگو ہوئی تھی اُس میں ایسے مشتبہ الفاظ فرمادیتے جس سے ان کا تذبذب ظاہر ہو جاتا تو میں کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیتا اگرچہ وہ تکلیف دہ ہوتا اور اُن کے ہوٹل سے زیادہ آرام رساں نہ ہوتا اور یہ گفتگو ایسے وقت میں ہوئی کہ اسباب بندھا ہوا سامنے رکھا تھا۔ وکٹوریا آ گئی تھی۔ احمق کا معاملہ ہو چکا تھا اور ان کا کرایہ فضل شاہ صاحب ہی کو دے چکا تھا اُس وقت ان کا ایک بل پیش کر دینا یہ معنی رکھتا تھا کہ کچھ بھی بحث یا حجت کروں تو تلخی مزید ہو اور غالباً میرا سفر واپسی ملتوی ہو جائے اور پھر نوکری سے بھی ہاتھ دھو کر ازاں

سورانده وازیں سو درمانده [کے] مصداق بن جاؤں۔ میں نے آپ سے ابتداً اسی لیے منع کیا تھا وہ خود جب ایسے الفاظ فرمارہے ہیں تو کسی دوسرے دوست سے لکھوانا یہ معنی رکھتا ہے کہ میں اُن پر اعتماد نہیں کرتا۔ بہر حال اب آپ جو مناسب سمجھیے کیجیے۔ میں ایک کارڈ خیریت سے پہنچنے کا ان کو بھیج چکا ہوں جس کا جواب آچکا ہے ارادہ ہے کہ آپ کے پہنچنے کے بعد آپ کی معرفت ایک مخصوص تحریر اس باب میں لکھوں مگر جب آپ فرمائیں تو شاید مجھے ضرورت نہ پڑے۔ انھوں نے -/190 کا بل بنا کر دیا ہے۔ اور کمرے کی دو سیٹ ایک میرے لیے دوسری احمق کے لیے مخصوص کی ہیں۔ ان -/190 میں -/40۔ اپنی طرف سے معاف کر کے -/150 کا بل واجب الادا قرار دیا ہے جس میں 50 دے آیا ہوں۔ آپ آئیں گے تو اس بل کی نقل دکھاؤں گا جو انھوں خود اصل سے لکھ کر دی ہے اور دینے کے بعد جب میں اسٹیشن آنے کے لیے گاڑی پر بیٹھ رہا تھا تو اپنے فرزند کو بھیج کر وہ نقل پھر مجھ سے منگالی اور ذرا دیر کے بعد جب وہ نقل واپس ہوی تو اس میں سے وہ نمبر کاٹ دیے جو غالباً کسی شناخت یا سلسلے کے لیے تھے۔ معلوم نہیں یہ عمل کس لیے کیا گیا۔ آپ دیکھ کر رائے قائم کر سکیں گے۔ میرے خیال میں آپ مجملاً خط لکھ کر مفصلاً بمبئی پہنچ کر زبانی فرمائیے گا۔ یا جیسی رائے ہو۔]۲۵ آپ علی گڑھ ضرور تشریف لائیں اور مجھے محروم نہ فرمائیں۔ مگر ۲۶ را کتوبر کے بعد اس لیے کہ میں ۲۰ سے ۲۴۔۲۵ تک وطن رہوں گا کہ وہاں ایک تقریب ہے۔ اس طرف کا موسم آج کل بہت خراب ہو رہا ہے۔ میرا سارا گھر ملیریا اور بخار، زکام میں مبتلا ہے۔ اپنی اور نور چشم کی خیریت سے مطلع فرمائیں۔ باقی باقی۔ والسلام بالاکرام۔ ۲۶

آپ کا بے ریا مخلص
احسن

(۶)

۷ نومبر ۱۹۳۴ء
علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی
شفیق محترم۔ تسلیم خلوص تضمیم

میں قدوم میمنت لزوم کا منتظر ہی رہا اور آپ کا زمانہء رخصت ختم ہو گیا۔ آپ کا دوسرا نوازش نامہ دہلی سے آیا تھا جس میں آپ نے اپنی تشریف آوری علی گڑھ کے متعلق حسماً دعدہ فرمایا تھا، میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ میں ۲۵ تک علیگڑھ میں نہ ملوں گا۔ اس کے بعد پھر کوی اطلاع نہیں ملی۔ یا تو یہ ہوا کہ میرے اس لکھنے کے بعد آپ کو وقت نہ ملا یا کوئی اور [امر] مانع ہوا کہ میری یاد بھلا دی۔ آپ نے اپنے ایک بچے کی علالت کا حال لکھا تھا۔ فضل مولیٰ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اب بہ خیر ہوگا اور آپ اب اپنے مستقر پر بہ عافیت پہنچ گئے ہوں گے۔ یہ کارڈ صرف مع الخیر رسی اور مزاج پرسی کے لیے حاضر کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ جواب سے بہ واپسی مطلع فرمائیں گے تو پھر تکلیف دہی کا سلسلہ تحریری شروع کروں گا۔ بندہ زادہ سلام عرض کرتا ہے۔ والسلام ۲۷

آپ کا مخلص بے ریا
احسن بے نور

(۷)

بمبئی ۱۳/ نومبر ۳۴ء

محترمی۔ تسلیم

مجھے آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونے کا بہت افسوس ہے لیکن خدا نے چاہا تو مستقبل قریب میں مجھے اس امر کا موقع ملیگا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوسکوں۔ میں نے شاہ جہاں پیلس ہوٹل کے مالک صاحب کو خط لکھا تھا۔ انھوں نے ہمت افزا جواب دیا ہے اور مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ میں کچھ مزید کمی کروں۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے پہلی قسط ارسال کردی ہوگی۔ نہ کردی ہوتو میرے نام ارسال فرمادیجیے تاکہ میں خود دے آؤں۔ اس کے بعد آپ فرمائیے کہ کہاں تک کمی کی جائے۔ والتسلیم

برنی

(۸)

۱۵ نومبر ۱۹۳۴ء

شفیق محترم زادلطفکم۔ تسلیم بتکریم

۱۳ نومبر کا لکھا ہوا کارڈ پہنچا۔ کل ہی سید فضل شاہ صاحب کا لفافہ بتقاضائے معلوم آیا ہے۔ آج اس کا جواب لکھنے بیٹھا تھا کہ آپ کا کارڈ ملا۔ خیال کیا کہ ان کا جواب آپ کے پاس بھیجدوں اور آپ اُسے پڑھ کر انھیں دیں مگر پھر یہ سوچ کر کہ شاید اس وساطت سے انھیں کوی...۲۸ پیدا ہو وہ خیال ہٹا دیا اور براہ راست ان کے نام اس خط کے ساتھ ڈاک میں ڈلوا رہا ہوں۔ میں نے اُس خط میں جس انداز سے جو کچھ لکھا ہے اسے آپ ضرور دیکھیے خلاصہ یہی ہے کہ میں آپ کے بار بار کے ارشاد و تسکین فرمائی سے مطمئن ہوگیا تھا کہ میری پریشاں حالی اور نا...۲۹ دیکھکر آپ برادرانہ سلوک فرما رہے ہیں اور اس طرح مجھے زیادہ سے زیادہ اتنا نذر کرنا پڑے گا جس قدر ۱۳۔۱۲ روز میں ۴۔۶ یا ۸۔۱۰ چاء کی پیالیوں اور دو وقتہ دو ڈبل روٹی اور ۴۔۶ چپاتیوں اور ۲۔۳ ترکاری کے گوشت اور دال میں صرف ہوسکتا ہے۔ خط ذرا طویل ہے اس کا خلاصہ بہت مشکل ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری اس گزارش کا ان پر خاص اثر ہوگا۔ اسے آپ ضرور ملاحظہ فرمائیے اور پھر مجھے لکھیے۔ میں جن پریشانیوں میں گھرا ہوا ہوں اُن کی مختصر تفصیل بھی اس خط میں کی ہے چوں کہ آپ اس کو دیکھ لیں گے اس لیے اعادہ فضول ہے۔ میری گزارشات کو پڑھ کر مجھے بتائیے کہ میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔

آپ کے علیگڑھ تشریف نہ لانے کا بے حد افسوس ہے۔ میں آپ کو اپنے خط سابق میں یہ لکھنا بھول گیا کہ یہاں آکر میں نے دو خط ایک محمد علی اللہ بخش صاحب دوسرا باولے صاحب کو بذریعہ رجسٹری بھیجا دونوں صاحبوں میں [سے] کسی نے جواب نہیں دیا اب آپ سے یہ مشورہ ہے کہ اللہ بخش صاحب نے رمضان شریف کی جو امید دلائی ہے اس کے لیے تحریک کروں یا نہ کروں۔ اگر نا گوار خاطر نہ ہو اور تکلیف نہ ہو اور موقع ہو تو کسی موقع سے اللہ بخش صاحب سے ملاقات فرمائیے اور جو مناسب وقت ہو فرمائیے۔ اور مجھے مشورہ دیجیے۔ آپ کے آیندہ خیریت نامے کا بہت بے چینی اور اشتیاق و امید کے ساتھ انتظار کروں گا۔ آپ مستقبل قریب میں کب تک یو پی میں تشریف لانے والے ہیں۔ رمضان میں یا اس کے بعد۔ اس سے بھی مطلع فرمائیے

کہ جامعہ ملیہ میں ایک بچے کو داخل کیا ہے یا تینوں کو۔ باقی باقی۔ والتسلیم ۳۰ء

آپ کا مخلص

احسن

محترمی۔ تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے والا نامہ کا جواب دیر سے دے رہا ہوں۔ بہر حال قصہ مختصر یہ کہ میں شاہجہاں پیلس ہوٹل کے مالک صاحب سے ملاوہ بعد دقت ۱۰ اکم کرنے پر راضی ہوئے ہیں۔ میرا یہ خیال ہے کہ میں اگر اور زور دونگا تو کچھ اور کمی ہوجائیگی۔ میں نے وہاں آپ کا خط دیکھا، اسکا جواب آپ کو مل گیا ہوگا۔ وہ اپنے۔۔۔(پڑھا نہیں جاسکا) سے دست بردار ہونا نہیں چاہتے۔ لہذا میرے خیال میں اب مزید خط و کتابت بیکار ہوگی۔ اب تو مجھے اور آپ کو آپس میں یہ طے کرلینا چاہیے کہ ا۔ رقم کتنی دی جائے اور ۲۔ کتنی قسطوں میں۔ ان کے طرز عمل میں ذرا سختی پیدا ہوگئی ہے۔

مجھے یہاں کے سیٹھوں سے زیادہ توقعات نہیں۔ یہ لوگ بظاہر انسان ہیں لیکن درحقیقت وہ ہم لوگوں سے یعنی یوپی والوں سے بہت بری طرح ملتے ہیں۔ میں ناحق کی توقعات آپ کے دل میں پیدا کرنی نہیں چاہتا لیکن جو کام یا خدمت آپ میرے سپرد فرمائینگے اسکی بجا آوری کے لئے آپ مجھے ہمیشہ مستعد پائیں گے۔

آپ کے احمق دوست نے آپ کو بہت مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ سنا ہے انہوں نے ہر طرح سے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ وہ اگر آپ کے مددگار بنتے اور خود اپنے پاؤں پر کھڑے رہتے تو آپ کا بوجھ ہلکا ہوجاتا۔ آئندہ زندگی میں ایسی بڑی غلطی نہ کیجئے گا۔ انہوں نے (میں نے سنا ہے) آپ کی برائیاں بھی بیان کی ہیں۔ خیر ''این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر''

میں دسمبر میں یعنی کرسمس کے زمانہ میں دہلی جانے کا ارادہ کررہا ہوں۔ خدا پورا کرے۔ اُس زمانہ میں آپ کہاں ہونگے؟
امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والتسلیم

نیازمند

ضیاءالدین احمد برنی

۲۷/نومبر ۳۴ء

(۹)

۳۰/نومبر ۱۹۳۴ء

شفیق محترم۔ تسلیم

نوازش نامہ پہنچا، [کل فضل شاہ صاحب کا خط بھی مل گیا تھا، سوال از ریسماں جواب از آسماں والا معاملہ تھا، میں نے کچھ لکھا جواب کچھ دیا بہر حال آج ہی انھیں بھی خط لکھ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے واقعات اس لیے لکھے تھے کہ آپ بہ حیثیت مسلمان یا انسان ان واقعات کو وقوعی سمجھ کر جواب دیتے کہ ایک انسان کو ایسی ملمع سازی سے کسی مہمان کے ساتھ عمل کرنا چاہیے یا نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ لکھ دیا ہے کہ اب اس باب میں اس کے سوا کچھ غرض نہیں کہ یا تو رمضان ہی میں ورنہ بعد رمضان

انشاءاللہ آپ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں گا۔ میں ایسے متضاد ترددات میں مدتوں سے گھرا ہوا ہوں جس کی تفصیل مزید تکلیف کا سبب ہے ادھر تو بعض اعزہ کی اموات ادھر بعض خصوصی خانگی مجبوریوں سے اُس لڑکے کی جو میرے ساتھ آیا تھا شادی۔ غرض نہ جینے کا مزا نہ مرنے کا احساس عجیب کشمکش میں ہوں۔ سمجھتا ہوں مگر سمجھا نہیں جاتا۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کشمکش سے حواس بہ جا رکھے۔] اگر کبھی ملاقات ہوگی تو اپنی سوانح عمری سناؤں گا۔[میں وہاں کے سیٹھوں سے ایسی ہی توقع رکھتا ہوں جیسی کہ بضرورت و مجبوری انسان جائے ضرور کے بعد صحت کی توقع رکھتا ہے۔] البتہ سادہ مزاجی اور صاف طبعی سے باوجود عمر رسیدہ ہونے کے دھوکا کھا جاتا ہوں بہرحال اب میرا کوئی سفر ایسا نہ ہوگا جو دیدہ و دانستہ نقصان کا موجب ہو۔[آپ سے اتنی گزارش ہے کہ اگر کسی موقع پر مناسب سمجھا جائے تو باولے صاحب سے مل کر ذرا ان کو اپنی ملاقات اور ان کے ارشادات کے اظہار کے بعد پوچھیے تو کہ آپ کو اس طرح حیران کرنے سے کیا لطف حاصل ہوا۔ نیز موقع ہو تو وہ کتاب (تاریخ نثر اردو) جو میں نے بامید منفعت پیش کی تھی واپس لے کر اپنے پاس رکھ لیجیے گا۔ دوسری گزارش یہ کہ اگر موقع ملے تو محمد علی اللہ بخش صاحب سے کسی ملاقات میں پوچھیے کہ آپ نے رمضان کے مہینے میں خط بھیجنے کی ہدایت کی تھی اس پر عمل کیا جائے یا نہیں۔] اس سلسلے میں انداز سے یہ معلوم کیا جائے کہ بدنفس احمق نے وہاں تک کوئی بدگوئی کا اثر تو نہیں پہنچایا۔ مجھے ان کی برائیاں کرنے سے کوئی نقصان نہیں، نہ انھیں کوئی فائدہ۔ البتہ اس کا افسوس ہے کہ ۲۰۔۲۵ برس کا تجربہ ناقص ثابت ہوا۔ میں جرائم پیشہ نہیں، سزا یافتہ نہیں، عرفاً کسی بھٹیارے گھسیارے کا نام لیوا نہیں[زیادہ سے زیادہ یہ کہ بھیک مانگتا ہوں سو یہ پیرزادوں کے لیے مباح ہے۔] خیر اس فضول ذکر کو چھوڑیے۔ وہ بدنام کریں، گالیاں دیں ہجویں لکھیں، اس کی فکر نہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

میرا خیال یہی تھا کہ کرسمس کی تعطیل میں اگر کوئی اطمینانی ذریعہ ملا تو کسی طرف حصول مقصد کے لیے سفر کروں[اور چوں کہ ایسے سفروں کا سلسلہ ختم کرنا چاہتا ہوں اور وہ بغیر ان مشکلوں کو آسان کیے نہیں ہوسکتا اس لیے یہ خیال ہے ورنہ مجھے فی الحقیقہ، بطبع ایسی حرکت مطبوع نہیں۔ بظاہر بہت کم امید ہے۔] یونی ورسٹی میں ۱۷ دسمبر سے مسلسل عید تک چھٹیاں رہیں گی اور میں مدۃ العمر سے اس کا عادی ہوں کہ ماہ مبارک وطن میں گزارتا ہوں۔ کالج اور یونی ورسٹی سے اس مہینے میں رعایتی رخصت لے لیتا ہوں۔ اس صورت میں میرا قیام مارہرے میں رہے گا۔ ابھی اس کو اتنا عرصہ ہے کہ دو ایک رسل و رسائل کی آمد و رفت رہے گی۔ آپ کا دہلی آنا ہوگا تو دو چار روز یا کم سے کم جتنا وقت آپ دے سکیں گے مارہرے آنے کی تکلیف دوں گا اور بہ صورت دیگر میں علیگڑھ آ جاؤں گا کہ یہاں میرے بچے رہیں گے اور وہ بھی نہ رہیں تو مکان تو رہے گا۔ آپ کی فرمایش (عود ہندی) یاد ہے۔ وقت ملاقات پیش ہوگی۔ بزم خیال کا مشاعرہ اور اس کی روداد اگر شائع ہوگئی ہو تو مجھے بھجوا دیجیے۔

ہلال تو باوجود وعدے کے ایڈیٹر صاحب بھیجتے نہیں اور اب احمق کی بدگوئیوں کے بعد کیا امید ہوسکتی ہے! امید ہے کہ مزاج عالی بہ خیر ہوگا۔

والسلام

آپ کا احسن

(۱۰)

۱۵دسمبر۱۹۳۴ء
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ یا
پی۔او مارہرہ، ایتھا، یوپی
شفیق محترم۔تسلیم بالتکریم۔

اس سے قبل ایک لفافہ آپ کے جواب میں بھیج چکا ہوں۔ جواب سے اب تک محروم ہوں۔ میری بے جا درخوری اور بار بار کی تکلیف دہی سے آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی مگر میں کیا کروں کہ آپ کے پرخلوص اشفاق نے ایسا گرویدہ کر دیا ہے کہ جب تک آپ کا شفقت نامہ نہیں ملتا تعلق خاطر رہتا ہے اگر چہ اس میں اپنی غرض کا شائبہ ضرور ہے۔ بااین ہمہ عنصر غالب اخلاص مندی کا شامل ہے [آج میں نے محمد علی اللہ بخش صاحب کو ایک خط بھیجا ہے اور اس میں ان کی اُس تحریک کی یاد دہانی کی ہے کہ انھوں نے ماہ مبارک رمضان میں خط لکھنے کو کہا تھا،] آپ سے اتنی مدد چاہتا ہوں کہ آپ بہ واپسی یہ تحریر فرمائیں کہ مولانا طاہر سیف الدین ۳۱ہنوز بمبئی میں ہیں یا پونہ چلے گئے۔ یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ان کی بابت میری یہ ساعت ہے کہ کبھی وہ بمبئی میں رہتے ہیں اور کبھی پونہ میں [نیز یہ خیال ہے کہ اللہ بخش صاحب کچھ جواب نہ دیں تو کم از کم ملا صاحب کا قیام بمبئی، معلوم ہو جانے پر براہ راست خط لکھ سکوں۔]

میں بشرط زندگی ۲۲؍دسمبر سے ۱۰؍جنوری تک کے لیے وطن چلا جاؤں گا۔ جواب میں یہ بھی لکھیے کہ آپ کب تک آگرہ یا دہلی آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ اگر مجھے آپ کی صحیح تاریخ آمد معلوم ہو جائے تو میں آپ کو مارہرے تک ایک دن کی تکلیف دوں یا خود دہلی حاضر ہوں۔ میری حاضری میں ذرا دشواری یہ ہے کہ جو لڑکا میرے ساتھ بمبئی آیا تھا اس کی شادی یکا یک بہ وجوہ کر دی گئی ہے۔ اس کے متعلق بعد رمضان عید کی صبح ہی کو ایک معمولی تقریب کرنی ہے اور پھر فوراً علیگڑھ آ جانا ہے۔ اس لیے شاید مجھے وقت نہ مل سکے۔ تاہم آپ کا پروگرام مجھے ضرور معلوم ہو جانا چاہیے۔ میرے پچھلے خط میں جو باتیں جواب طلب ہوں ان کا جواب بھی عطا ہو۔ امید ہے کہ آپ بہ خیریت ہوں گے۔ والسلام۳۲

آپ کا مخلص
احسن

(۱۱)

۶فروری ۱۹۳۵ء
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ
لطف فرمائم۔تسلیم خلوص تضمیم۔

حیرت واستعجاب کی کوئی حد نہیں کہ میرے اخلاص نامے یا ناموں کا جواب خاموشی سے دیا جا رہا ہے۔ یہ تو یقین نہیں آتا کہ آپ بالقصد ایسا کر رہے ہیں۔ اس کے سوا کیا سمجھوں کہ میری محروم نصیبی کے اثرات ہیں جو مدت مدید سے میرے لیے لازمی ہو گئے ہیں۔ یا یہ سمجھوں کہ میرے خطوط ڈاک کے قطاع الطریق لوٹ لیتے ہیں۔ بہ ہر حال عجب طرح کی الجھن ہے۔ اس

سے اطمینان رکھا جائے کہ میں عاجز و عاصی کوئی ایسی تکلیف نہ دوں گا جو آپ کے اوقات عزیز کی تضیع کا سبب ہو۔ البتہ آپ کے خلوص اور بے لاگ شفقتوں نے گرویدہ کرلیا ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں آپ کو نہ بھولوں۔

وہ بھی نہ تو اے فلک دیکھ سکا کوئی دم — اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک فقط دیکھنا

زیادہ زیادہ والتسلیم

مشتاق لطف

آپ کا مخلص

علی احسن احسن مارہروی

اخبار ''منادی'' سے آپ کی تشریف آوری دہلی معلوم ہو چکی۔ مگر افسوس کہ میں جب بھی محروم رہا۔۳۳؎

سکریٹریٹ۔ بمبئی

محترمی مولینا۔ تسلیم۔

میں حیران ہوں کہ میرا وہ خط کیوں آپ تک نہ پہنچا جو میں نے ۔۔۔۳۴؎ کے ذریعے ارسال کیا تھا۔ بہر حال میں نے اپنی اس غلطی کو محسوس کرلیا ہے کہ میں آئیندہ کسی کی وساطت سے خط ارسال نہ کرونگا۔ خدا جانے آپ کیا کیا خیالات اپنے دل میں لا رہے ہونگے، حالانکہ میں اس خدمت [خط] میں (جو غالباً آپ تک نہیں پہنچا) اپنی معذریوں کا حال لکھ چکا ہوں جسکی وجہ سے میں آپ سے نیاز حاصل کرنے سے قاصر رہا۔ بہر حال آپ کو میں یقین دلاتا ہوں کہ دہلی جانے کے بعد میں بھی طرح طرح کی الجھنوں میں رہا جو خدا کا شکر ہے، کم ہوگئی [ہوگئیں] ہیں، انشاء اللہ اب جب کبھی جاؤنگا اور اپریل میں ارادہ ہے، تو اس وقت، بضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا۔ انشاء اللہ۔

آپ نے میرے متعلق جن پاکیزہ جذبات کا اظہار کیا ہے انکے لیے میں بیحد ممنون ہوں اگر چہ میں یہ ضرور (دل میں) سمجھتا ہوں کہ یہ سوائے ذرہ نوازی کے اور کچھ نہیں۔

آپ کے صاحبزادہ کی شادی خانہ آبادی ہوگئی یا نہیں؟ کیا داغ والے مضامین کا سلسلہ جاری ہے؟۳۵؎ والتسلیم

نیاز مند

ضیاء الدین احمد برنی

(۱۲)

۲۳ فروری ۱۹۳۵ء

مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

شفیق محترم۔ تسلیم۔ میرے شکایتی کارڈ کے بعد آپ کے دونوں کرم نامے مل گئے۔ پہلے دستی خط ملا پھر کارڈ۔ میں خود حیران تھا کہ آپ نے کیوں خاموشی اختیار فرمائی۔ ان تحریروں سے وجوہ توقف معلوم کر کے افسوس ہوا۔ زمانے کی رفتار ہمیشہ سے ناہموار ہے مگر فی زمانا جس استقلال اور تسلسل کے ساتھ تغیرات رونما ہوتے ہیں ایسے انقلابات پچھلے زمانوں میں کم ہوتے ہوں گے۔ بے وفائی، وعدہ خلافی، لغو گوئی، بے مروتی۔ غرض کوئی برا عیب ایسا نہیں جس کو بھلے آدمی نہ برت رہے ہوں۔ میں ۲ ماہ

سے متواتر خانگی ترددات میں گھرا ہوا ہوں جن کی تفصیل بے کار ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ آپ کے خطوط پا کر چند ہفتوں کے بعد جواب لکھ رہا ہوں ورنہ میں جواب نویسی کے لیے اکثر مستعد رہتا ہوں۔ چھوٹے لڑکے کی شادی ہوگئی۔ اگرچہ میں اس وقت زیرِ تعلیم ہونے کے سبب سے ابھی اور ٹھہرنا چاہتا تھا مگر بعض واقعات خاندانی نے اور خصوصی مواقع و اصرار نے مجبور کردیا۔ مصارف بہ ظاہر بہت کم اور معمولی ہوئے لیکن حالت موجودہ کے لحاظ سے میرے لیے بہت تھے۔ ۲۰۔۲۵ روز بعد ان کا ایم۔اے کا امتحان ہے۔ خدا کرے پاس ہو جائیں تو ایک فکر دور ہو۔ دعا فرمائیے۔ میگزین کے دو نمبروں میں ''داغ و احسن'' کے عنوان سے میرے لکھے ہوئے حالات شائع ہوئے ہیں اگر یہ دونوں نمبر آپ نے نہ دیکھے ہوں تو لکھیے بھیج دوں۔[۳۶] ''بزمِ خیال'' بمبئی کا گزشتہ مشاعرہ شائع ہوا یا نہیں۔ مجھے اپنے خطبۂ صدارت کی نقل چاہیے کہ بعض تاریخی حصے اس میں ایسے تھے جن کی یادداشت چاہتا ہوں کہ میرے پاس رہے۔ افسوس ہے کہ باوجود بار بار عرض کرنے کے ہلال کے ادارے سے وہ نقل مجھے نہیں ملتی نہ ہلال کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ امید کہ اپنی خیریت مزاج اور جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔ فضل شاہ صاحب کا معاملہ ابھی صاف نہیں ہوا ہے۔ مگر میں ساعی ہوں کہ جلد اس خلش کو دور کروں۔ ایک معاملے کا انتظار ہے اور ہر وقت اس کی تکمیل کے لیے کوشاں ہوں۔ اللہ میری مدد فرمائے یا اگر اس درمیان میں آپ کی ملاقات ہوئی ہو اور اس باب میں کچھ بات چیت ہوئی ہو تو لکھیے۔ باقی باقی۔ والسلام[۳۷]

آپ کا مخلص

احسن مارہروی

(۱۳)

۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

شفیق حالم۔ تسلیم خلوص تضمیم

آپ کے دستی عنایت نامے اور ڈاک سے وصول شدہ کارڈ کی رسید اور جواب بھیج چکا ہوں۔ اس کے بعد کوئی خیریت نامہ نہیں ملا۔ اگرچہ میرے خط میں کوئی خاص جواب طلب بات نہ تھی۔ مگر آپ کی شفقت و مخلصانہ محبت آپ کو چھوڑنے نہیں دیتی۔ اللھم زد فزد ولا شفقت۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ مع الخیر ہوں گے۔ امید کہ صحتوری مزاج اور کوائف خاص سے مطلع فرما کر مطمئن فرمائیے۔ اور ارشاد کیجیے کہ اب دہلی آنے کا کب قصد ہے۔ اگر محرم کی تعطیل میں آئیں تو مطلع فرمائیے۔ امسال یونیورسٹی کی بڑی تعطیل ۶ رمئی سے ۱۶۔ جولائی تک ہے۔ یہ زمانہ تو غالباً آپ کے لیے بمبئی چھوڑنے کا نہ ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ اس مرتبہ آپ کا اس طرف کا آنا ایسا نہ ہو کہ بغیر میرے ملے جانا ہو۔ میں نے فضل شاہ صاحب کو فی الحال 50 رپے بھیج دیے ہیں اسی طرح اور بھیجدوں گا اور عمر بھر نہیں بلکہ تا بہ حشر اپنی اس حماقت ان کی عنایت اور اس عبرت آمیز اخلاقی سبق کو یاد رکھوں گا۔ والسلام

خیر طلب

احسن مارہروی

۳ مئی ۱۹۳۵ء
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

شفیق محترم تسلیم۔ آپ کے ۷/اپریل کے کارڈ کا جواب آج لکھ رہا ہوں بہ وجہ تعطیل محرم وغیرہ میں دو ہفتے وطن رہا اور پھر یہاں کے انقلابات نے کسی معمولی کام کی طرف بھی متوجہ نہیں ہونے دیا۔ اس تساہل و توقف کا معافی خواہ ہوں۔

بندہ زادہ نے امتحان تو دے دیا ہے۔ محنت بھی کی ہے۔ لیکن اس وقت تک صحیح نتیجہ معلوم نہیں ہوا ہے۔ انشاء اللہ دو چار روز میں معلوم ہوگا۔ خدا کرے ان کی محنت ٹھکانے لگے۔

آپ کا یہ ارشاد کہ ''اس عالمِ پیری میں وہ دستِ راست بن کر امداد و خدمت کریں'' حسبِ توقع اور مشرقی روایات کی بنا پر صحیح ہے، مگر مولانا مغربی تعلیم و تہذیب نے یہ توقعات پادر ہوا کر رکھی ہیں۔ اور بحمد اللہ یہ اضعف الضعیف بھی اس کا متمنی نہیں بلکہ صرف اس کا خواست گار ہوں کہ وہ اپنے لیے کارآمد بن جائیں۔ دعا فرمائیے کہ جلد حسبِ مراد نتیجے کا اعلان ہو۔ یہ ارشاد ہو کہ وہ یا ان کے عم زاد بھائی جو بی اے پاس ہیں، بمبئی بھیج دیے جائیں؟ اور اس صورت میں سکریٹریٹ وغیرہ میں کوئی صورت معاش پیدا ہو سکے گی۔ یہاں ۱۰ مئی سے ۱۵ جولائی تک چھٹی رہے گی اور میں وطن چلا جاؤں گا اس کا جواب ''مارہرہ، ضلع ایٹہ، یو۔ پی'' کے پتے سے عطا ہو۔

صاحب زادے جامعہ ملیہ میں پڑھ رہے ہوں گے۔ اب آپ کس زمانے میں دہلی تشریف لائیں گے فضل شاہ صاحب کی دوسری قسط کی فکر کر رہا ہوں۔ مسبب الاسباب جلد صورت سبک دوشی پیدا فرمائے۔ چشتی صاحب اور آرزو صاحب تشریف لے آئے ہوں تو خطبہء معلومہ کی یاددہانی کرتا ہوں۔ امید کہ مزاج عالی بعافیت ہوگا۔ والسلام بالاکرام [۳۸]

آپ کا مخلص نیاز مند
احسن مارہروی

سکریٹریٹ۔ بمبئی
۱۸/ستمبر ۱۹۳۵ء

محترمی۔ تسلیم

مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے افکار میں اتنا پھنسا رہا کہ آپ کی خدمت میں بھی کوئی خط نہ لکھ سکا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نے شاہ صاحب سے ملاقات نہ کی تھی۔ آج خدا خدا کر کے ان کے یہاں جانا ہوا۔ وہ ایک خط آپکو لکھ چکے ہیں۔ میں نے انکو بہت ہی غصہ میں پایا۔ وہ کہتے تھے کہ میں اب ذرہ بھر رعایت نہ کرونگا۔ خیر میں نے ان کو اطمینان دلایا ہے اور کہا ہے کہ اسقدر خفگی کی ضرورت نہیں۔ کہتے تھے کہ اتنا زمانہ گزر گیا اور ابھی تک وعدہ ایفائی نہیں ہوئی۔

میں نے دہلی سے پچھلی مرتبہ آپ کی خدمت میں جو خط بھیجا تھا اسمیں صراحت کر دی تھی کہ میں انشاء اللہ مزید کمی کرا سکونگا۔ آج کا طرزِ عمل ان کا مایوس کن تھا لیکن میں نے آپ کی مشکلات پیش کیں تو وہ ذرا ٹھنڈے ہوئے۔ بہر حال میں ممنون ہونگا اگر اس قصے کو زیادہ طول نہ دیا جائیگا۔ کوشش فرمائیے کہ یہ قضیہء نامرضیہ جلد سے جلد ختم ہو جائے اور زیادہ کیا عرض کروں۔ والتسلیم

ضیاء الدین احمد برنی

امید ہے آپ کے صاحبزادے دہلی والے امتحان میں کامیاب ہوگئے ہونگے۔

(۱۴)

۲۳ ستمبر ۱۹۳۵ء

مارہرہ۔ ضلع ایٹہ۔ (یوپی)

لطف فرمائم۔ تسلیم خلوص تضمیم

گرامی نامہ پہنچ کر عزت افزا ہوا شکر کرم۔ شاہ صاحب ۳۹ کا خط بھی ایک دن پہلے مل چکا تھا اب میں ان کو جواب دوں گا۔ بلکہ آپ ہی کو لکھے دیتا ہوں کہ میں عن قریب ایک معاملہ کر رہا ہوں۔ اس کے ہوتے ہی میں ان کو بھیج دوں گا۔ ان کا اطمینان کر دیجیے۔ [میں اپنے غیبی اور ناگہانی مصارف سے بہت تنگ رہتا ہوں ورنہ اتنا الجھیڑا نہ ڈالتا اور پھر جب یہ خیال آتا ہے کہ ان بھلے مانس نے مجھے ایسا سبز باغ اپنے اخلاق کا دکھایا کہ میں آخر وقت تک غافل رہا اس خیال کے آتے ہی عجیب حالت ہو جاتی ہے پھر اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ کرتا ہوں تو چپ ہو جاتا ہوں۔] بہر حال جلد کوشش کروں گا کہ اب کے اتنا بھیجدوں کہ پھر نوبت گفت وشنود نہ آئے۔

لڑکے نے جو امتحان دہلی میں دیا تھا اس کا نتیجہ اب تک نامعلوم۔ فنانس کے لیے بھی تیاری کر رہے تھے مگر محکمہ متعلقہ سے اطلاع ملی کہ امسال زیادہ داخلے ہو گئے ہیں لہٰذا تمھارا نام شامل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محنت بھی رائگاں گئی۔ اس قسم کی اکثر پریشانیاں عائد ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے کوئی کام حسب مرضی نہیں ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ امر پریشانی میں کسی کام کا ایک حصہ پورا ہوتا ہے تو دس حصے خراب ہو جاتا ہے۔ بہ ہر حال شکر ہے کہ مبادا ازیں بتر گردد۔ آپ کی کتاب عود ہندی مجلد تیار ہے فرمایئے بھیجدوں یا اب کے سفر دہلی کے سلسلے میں پیش کروں۔ میں بہ سلسلہ تعطیل ۱۶ اکتوبر تک وطن میں رہوں گا۔ امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔ والسلام مع ہٰذا

خاکسار

احسن

(۱۵)

۷۔ فروری ۱۹۳۶ء

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

شفیقی وتحبی۔ سلام مسنون۔ کئی ہفتوں سے محبت نامہ جواب طلب فائل میں رکھا ہوا تھا۔ قریب قریب روزانہ نظر سے گزرتا تھا، اور برابر ایک انتظار کی وجہ سے جواب ملتوی ہو رہا تھا۔ آج خدا خدا کر کے اس قابل ہوسکا کہ کچھ دکھ درد سناؤں۔ سب سے پہلے یہ دعا ہے کہ آپ کا مزاج قرین عافیت ہو اور شکایات مرض ختم ہو گئی ہوں قبل اس کے کہ میں اپنا حال لکھوں اپنی حالت پریشاں اور اوقات بے سروپا کا مختصر اور ادنیٰ ثبوت یہ پیش کرتا ہوں کہ ۷۔ مئی کو یہ خط لکھنا شروع کیا۔ ڈیڑھ سطر لکھی تھی کہ کوئی حائلہ درمیان میں آ گیا اور اُس وقت سے اِس وقت تک کہ ۱۲ فروری ہے کوئی حرف نہ لکھ سکا۔ اس وقت بھی کہ ۹ بج گئے ہیں اور آدھ گھنٹے کے بعد یونیورسٹی جاؤں گا۔ یہ تحریر شروع کی ہے جو غالباً اس وقت بھی تمام نہ ہو سکے گی۔ تاہم جس قدر لکھا گیا لکھوں گا۔ آپ کے خط میں شاہ صاحب کی خفگی کا حال معلوم ہوا۔ میرے پاس بھی ان کا کارڈ آیا تھا اور میں نے یہی

جواب دے دیا تھا کہ جنوری فروری میں سبکدوشی کی کوشش کروں گا۔ محترما اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے میں ہر چند سعی و تدبیر کرتا ہوں مگر کیا عرض کروں کہ کیا واقعات اور موانع سامنے آجاتے ہیں۔ مجملاً میری پریشانیوں کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ چند ماہ سے میرے بڑے فرزند مرض اختلاج میں مبتلا ہیں اسی کے ساتھ اور شکایات بھی ہیں۔ پہلے لکھنؤ کے حکیم مربی صاحب کا علاج ہوا۔ پھر علیگڑھ کے اطبا کا پھر دہلی کے حکیم محمد احمد خاں صاحب کا اب پھر علیگڑھ کے ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر کا ہورہا ہے۔ ان کے اس مرض کے ساتھ ان کا توحشر اور دماغی توازن کا جادہء اعتدال سے ہٹنا ہوا ہونا جس قدر متردد ایک باپ کو کرسکتا ہے اس کا اندازہ صاحب اولاد کرسکتا ہے خصوصاً اس حالت میں کہ ان کے ساتھ ۵۔۶ بچوں کا ساتھ ہو اور علی الخصوص اس صورت میں کہ موجودہ فضا یہاں چاہتی ہے کہ وہ ہر وقت مستعد اور اپنے کام پر متوجہ رہیں۔

۲۔ انھیں فرزند کا چھوٹا شیر خوار بچہ عجب قسم کے مرض میں مبتلا ہے۔ ایک خاص قسم کے دورے مثل صرع کے ہوتے ہیں۔ ایک طرف کا ہاتھ اور پاؤں اچھی طرح نہیں پھیلتا وغیرہ وغیرہ۔

۳۔ چھوٹے فرزند جو میرے ساتھ بمبئی آئے تھے، ان کی اہلیہ علیل ہوئیں اور بحالت حمل پٹنہ کے ہسپتال میں بھیجی گئیں۔ وہاں ایک مہینہ رہنے کے بعد ولادت ہوئی اور ۲۔۳۔ دن کے بعد نومولود فوت ہوگیا۔ زچہ دوبارہ بیمار ہوگئیں ابھی تک وہیں پڑی ہوی ہیں۔

۴۔ پٹنہ میڈیکل کالج میں میرا تیسرا فرزند، ڈاکٹری پڑھ رہا ہے اور یہ فائنل ہے۔ ۴۔۵۔ ماہ بعد امتحان دیں گے انھیں کم سے کم ۔۔۔ ۱۴۱ ماہوار بھیج رہا ہوں اور اب وہ ان کے ختم امتحان تک بھیجنے ہیں۔

۵۔ میری ذاتی جائداد کی مالگزاریاں ۴۔ سال وصول نہیں ہوئیں۔ ایک سال کی معیاد خارج ہوگئی ۳ برس کی نالش کی بدبختی سے مجوز اول نے ڈگری اتنی کم کی ہے کہ اس کو اگر مان لیا جائے تو ہمیشہ کے لیے نقصان عظیم ہوگا۔ اب اس کی اپیل دائر ہے۔ اس مقدمے میں اب تک دوڈھائی سو خرچ ہوگئے ہیں۔

۶۔ ایک نالش خود مجھ پر ایک دستاویز رہن کی ہوگئی ہے جس کی دو پیشیاں ہوچکی ہیں اور معلوم [نہیں] کہ کتنا دوران ہو اور پھر کیا نتیجہ نکلے۔

۷۔ میری ایک لڑکی بہت دنوں سے شادی کے قابل ہے اس کے فرض سے سبکدوش ہونا بروقت پیش نظر ہے۔ بے ماں کی بچی ہے اور کوی بہترین نگراں نہیں۔ اب فریق ثانی کی طرف سے اصرار ہے اور میں یہی چاہتا ہوں کہ جلد اس فرض سے سبکدوش ہوں مگر کوی سروبرگ نظر نہیں آتا۔

۸۔ دو مہینے سے میرے دو ماموں زاد بھائیوں کی بیویاں بیمار ہوکر علیگڑھ کے ڈاکٹروں کے زیر علاج ہیں جب میں یہاں موجود ہوں تو ایسے عزیز قریب اور کہاں مقیم ہوتے۔ مبتلا ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر کا مضمون ہے۔[۴۲]

حواشی وتعلیقات:

۱۔ ''عظمتِ رفتہ'' از ضیاء الدین احمد برنی، کراچی، تعلیمی مرکز، ۱۹۶۱ء، ص ۳۱۶۔

۲۔ ۱۹۳۰ء یا اُس کے چند سال بعد ضیاء الدین برنی اور ان کے چند دوستوں نے بمبئی میں ایک انجمن ''بزمِ خیال'' کے

نام سے قائم کی تھی۔ برنی اُس کے صدر تھے اور مولوی نذیر احمد خجندی نائب صدر۔ برنی کے سوا باقی تمام عہدے دار شاعر تھے۔ اس انجمن کے تحت کئی آل انڈیا مشاعرے منعقد کیے گئے۔شعر خوانی کے علاوہ تقاریر بھی کی جاتی تھیں۔ان مشاعروں میں مولانا فضل الحسن حسرتؔ موہانی، نے کئی مرتبہ شرکت کی۔ جوشؔ ملیح آبادی، آزاد انصاری، سیمابؔ اکبر آبادی، بسملؔ الہ آبادی، ساغر میرٹھی، احسنؔ مارہروی اور مولانا ماہر القادری جیسے بلند پایہ شعرا نے اپنا کلام سنایا۔

۳ بزمِ خیال، بمبئی کے سیکریٹری وسیم الدین چشتی۔(برنی)

۴ [غلام احمد خان آرزو،] مدیر، ہندوستان، بمبئی۔(برنی)

۵ بہ قول برنی سی ایف اینڈریوز نے "Zakaullah of Delhi" پہلی جنگِ عظمٰی سے پہلے تصنیف کرلی تھی۔اسی زمانے میں انھوں نے انھیں ترجمے کی اجازت بھی دے دی تھی۔حالات کی سختی کے باعث جنگ کے بہت عرصے بعد کلکتہ کے مشہور رسالے "ماڈرن ریویو" میں قسط وار شائع ہوئی۔۱۹۲۹ء میں ضروری ترمیمات کے ساتھ بصورتِ کتاب کیمبرج سے شائع ہوئی۔(Encyclopaedia of Indian literature vol. 5 - Page 4645,by various - 1996) جس زمانے میں سی ایف اینڈریوز کی کتاب ماڈرن ریویو میں شائع ہوئی اسی زمانے میں برنی کا ترجمہ "تذکرہ مولوی ذکاء اللہ دہلوی" بھی "زمانہ"، کانپور میں شائع ہوا۔جون ۱۹۴۷ء میں برنی نے کتاب کا مسودہ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی کے سپرد کیا۔تقسیم کے ہنگاموں میں جہاں اور بہت کچھ برباد ہوا وہاں برنی کا ترجمہ بھی نذرِ آتش کردیا گیا۔پاکستان بن جانے کے بعد برنی نے ازسرِ نو ترجمہ کیا اور ۱۹۵۲ء میں اپنے ہی ادارے "تعلیمی مرکز"، کراچی سے مجلد ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔

۶ یہ اشارہ سید راس مسعود کے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ چھوڑ کر بھوپال چلے جانے کی جانب ہے۔

۷ ضیاالدین احمد برنی اُس زمانے میں "اورینٹل ٹرانسلیٹر آفس بمبئی" میں بہ طور ٹرانسلیٹر ملازم تھے۔

۸ یہ لفظ نہیں پڑھا جاسکا۔

۹ "تذکرہ مولوی ذکا اللہ دہلوی" کی جانب اشارہ ہے تفصیل کے لیے دیکھیے حاشیہ ۵۔

۱۰ یہ اشارہ غالباً محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب ہے۔

۱۱ برنی نے ۷ ستمبر کو یہ خط احسنؔ کے یکم ستمبر ۳۴ء کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

۱۲ برنی نہیں چاہتے ہوں گے کہ احسنؔ کا اظہارِ شرمندگی عیاں ہو چناں چہ انھوں نے یہ عبارت حذف کردی۔

۱۳ یہ اشارہ ضیا الدین احمد برنی کی پہلی بیوی کے انتقال کی جانب ہے۔انھوں نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی کا نام محمودہ بیگم تھا۔وہ آگرہ کے ایک متمول خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کا انتقال ۸رجون ۱۹۳۴ء کو ہوا۔جب کہ دوسری بیوی آمنہ بیگم تھیں جن کا تعلق دہلی سے تھا۔ان کا انتقال ۲۸راکتوبر ۱۹۹۰ء کو کراچی میں ہوا۔برنی نے "خطوطِ مشاہیر" کو محمودہ بیگم کے نام سے منسوب کیا ہے۔برنی نے اپنی تصنیف "عظمتِ رفتہ" میں محمودہ بیگم کا تذکرہ اکثر جگہ کیا ہے۔

۱۴ مولانا احسن نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی اُن کے ماموں حافظ سید عبدالجلیل کی صاحب زادی افضال فاطمہ تھیں۔ یہ شادی ۱۸۹۶ء میں ہوئی تھی۔ ۱۰؍ستمبر ۱۹۳۱ء کو انھوں نے داغِ مفارقت دیا۔ اُنھی کے انتقال پر مولانا نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ "مکاتیب احسن" جلد دوّم میں مکتوب بہ نام متین مچھلی شہری اور بنام ساغر نظامی میں یہ جذبات اور بھی شدت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ متین مچھلی شہری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں "میں چند ماہ سے مسلسل تفکرات اور پریشانیوں کا شکار رہا ہوں جس کی انتہا ۱۰؍ستمبر میں خانہ ویرانی پر ہوئی۔ یہ سانحہ میرے لیے آخر عمر میں زندہ درگور کردینے کے لیے کافی ہے۔" (دیکھیے: مکاتیب احسن، مرتبہ ڈاکٹر عنوان چشتی، صغیر احسنی، ،موڈرن پبلشنگ ہاؤس گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی، مارچ ۱۹۸۳ء، ص ۸۱)

۱۵ یہ خط بھی یقیناً علی گڑھ ہی سے لکھا گیا ہے۔ متن میں یہ جملہ اس جانب اشارہ کرتا ہے "نواب صاحب موصوف کی کوٹھیاں علی گڑھ میں بھی ہیں اور اکثر وہ یہاں آتے رہے ہیں۔"

۱۶ یہ لفظ نہیں پڑھا جاسکا۔

۱۷ برنی کے اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے تاہم مذکورہ خط کا جواب احسن نے ۱۲/۱۰/۱۹۳۴ء کو دیا تھا جس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ برنی نے اکتوبر ۳۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں سے کسی تاریخ کو خط تحریر کیا ہوگا۔

۱۸ باوجود کوشش کے یہ لفظ نہیں پڑھا جاسکا۔

۱۹ مشہور شاعر احمق پھپھوندوی [م ۸؍اگست ۱۹۵۷ء]۔ (برنی) اصل نام محمد مصطفیٰ خاں تھا۔ پھپھوند ضلع اُٹاوہ (یوپی) میں پیدا ہوے۔ اوّل احمق تخلص اختیار کیا بعد میں مدّاح۔ عبدالمجید حیرت شملوی نے تبدیلی تخلص کے تعلق سے بڑی دل چسپ بات لکھی ہے۔ "جناب مدّاح کو اول اول خلافت ایجی ٹیشن کے دور میں زمیندار میں دیکھا تھا۔ مداح صاحب اس وقت احمق تھے آگے چل کر توقع یہ تھی کہ عاقل نظر آئیں گے یا حضرت یاس یگانہ کی تقلید میں فرزانہ مگر ہو گئے مداح۔ خیر یہ بھی اچھا ہوا، ورنہ ان کے مداح بڑی مشکل میں تھے اور انھیں احمق کہتے ہوئے شرماتے تھے۔ ویسے احمق تو وہ نہ جب تھے نہ اب ہیں اور اب تو اپنے مداحوں کے مداح ہیں بلکہ ممدوح"۔ ("محفلے دیدم" مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی، حیرت شملوی اکادمی، محمد آباد، ضلع رحیم یار خاں، اول ۱۹۸۱ء ص ۴۵) مولانا احسن مارہروی کے خاص اور عزیز تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔ وہ طنزیہ و مزاحیہ اور قومی شاعر کے طور پر مشہور تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید و بند کی سختیاں بھی جھیلیں۔ تمام عمر کھدر پہنا۔ انجمن ترقی اردو ہند کی اردو ہندی ڈکشنری میں بھی بھرپور تعاون کیا۔ وہ اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی زبان سے خوب آگاہ تھے۔ مولانا احسن مارہروی کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قابل آدمی تھے۔ (مولانا احسن مارہروی، آثار و افکار، مصنفہ ڈاکٹر صابر حسین خاں جلیسری، انجمن ترقی اردو پاکستان، اول ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۱۔) ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سنگ و خشت، نقشِ حکمت، زندانِ حماقت اور جوش و عمل قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے انتقال پر ضیاالدین احمد برنی نے مختصر تحریر کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ دیکھیے: ماہ نامہ کتابی دنیا، ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۵۔ برنی نے کتابی دنیا اکتوبر ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں "جوش و عمل"

سے ایک نظم "شرابِ کہن" کے طور پر شائع کی۔ دیکھیے: ص ۱۴۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے:

جوانانِ وطن بس خواب سے بیدار ہوجاؤ
بہت غافل رہے اٹھو بس اب ہوشیار ہوجاؤ
یہ روزِ بد تمھاری غفلتوں ہی نے دکھایا ہے
بس اب کروٹ بدلنے کے لیے تیار ہوجاؤ
گئے وہ دن کہ تھا جب اختلافِ مذہب و ملت
بس اب اک دوسرے کے مونس و غم خوار ہوجاؤ
بس اب باہم دگر سیکھو رواداری و ہم دردی
بس اب آپس میں سب کے دوست سب کے یار ہوجاؤ

۲۰۔ شاہ جہاں پیلس ہوٹل، بمبئی کے مالک۔ (برنی)[ہوٹل کے اصل مالک سید یوسف شاہ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد کاروبار ان کے بھتیجے سید فضل شاہ کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد فضل شاہ کراچی آ گئے۔ طویل بیماری کے بعد ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کو انتقال ہوا۔ سید یوسف شاہ اور فضل شاہ نہایت ادب نواز اور انسانی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ (دیکھیے: "سید فضل شاہ"، مشمولہ عظمتِ رفتہ، مصنفہ ضیا الدین احمد برنی، ۱۹۶۱ء، تعلیمی مرکز، کراچی۔)

۲۱۔ خط کا یہ حصہ ضائع ہو چکا ہے لہٰذا پڑھا نہیں جا سکتا، غالباً لفظ "پچاس" تحریر ہوگا چوں کہ آگے اس کا ذکر آئے گا۔

۲۲۔ بمبئی کے ایک علم دوست شاعر، کراچی میں ہیں۔ (برنی)

۲۳۔ ضیاء الدین احمد برنی کے تین بچوں، احمد برنی، جمال برنی اور اقبال برنی نے جامعہ ملّیہ میں کوئی تین سال تعلیم حاصل کی۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ تھے۔

۲۴۔ یہ خط صدر شعبہء اردو کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا ہے جس پر انگریزی عبارت ایک جانب: Deparment of Urdu Muslim University ,Aligarh اور دوسری جانب: Chairman تحریر ہے۔ افسوس کہ اس خط کے جواب میں برنی کا خط بازیافت نہیں ہو سکا۔

۲۵۔ غالباً اس حصے کے حذف کرنے کا مقصد سید فضل شاہ کی شرافت اور نیک نامی کو داغ دار ہونے سے بچانا تھا، جس کا تذکرہ برنی نے "عظمتِ رفتہ" میں کیا ہے۔

۲۶۔ اس خط کا جواب بھی برنی کے دست یاب خطوط میں نہیں ہے۔

۲۷۔ یہ خط پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا گیا ہے جس پر بمبئی سیکریٹریٹ کا پتا درج ہے۔ برنی کا نام "مولوی ضیا الدین احمد صاحب برنی" لکھا گیا ہے۔ مخاطبت کا یہ انداز برنی سے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۸۔ یہ لفظ نہیں پڑھا جا سکا۔

۲۹۔ خط فائل کیا گیا ہوگا لہٰذا پنچ مشین یہ لفظ کھا گئی۔

۳۰۔ یہ خط بھی چیئرمین کے لیٹر پیڈ پر ہے۔ یہ وہ خط ہے جسے برنی نے اپنے انتخاب میں جگہ نہیں دی غالباً اس کی وجہ بھی سید فضل شاہ کی نیک نامی کو بٹا لگنے سے بچانا تھا۔ ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ سید فضل شاہ کوئی معروف شخص نہیں تھا لہٰذا خیال اس کے دوسرے پہلو کی طرف جاتا ہے کہ درحقیقت احسنؔ مارہروی کی شخصیت پر آنچ نہیں آنے دینا تھا۔ یا دونوں ہی باتیں ہوں۔

۳۱۔ داؤدی بوہریوں کے پیشوا۔ (برنی)

۳۲۔ یہ خط سادہ کاغذ پر تحریر ہے۔

۳۳۔ یہ خط پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا گیا ہے، جس پر بمبئی سیکریٹریٹ کا پتا درج ہے۔

۳۴۔ یہ لفظ ناقص فوٹو کاپی کی وجہ سے نہیں پڑھا جاسکا۔

۳۵۔ اس خط پر تاریخ درج نہیں ہے تاہم اس خط کے جواب میں احسن نے ۱۹۳۵/۲/۲۳ء کو خط لکھا تھا جس سے اندازا کیا جاسکتا ہے کہ برنی کا خط احسنؔ کے جواب سے چند دن قبل ہی لکھا گیا ہوگا اس لیے کہ احسنؔ خط کا جواب دینے میں نہایت مستعد تھے۔

۳۶۔ مضمون ''داغ و احسن''، علی گڑھ میگزین، مارچ ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔ (دیکھیے: مکاتیبِ احسن، جلد دوم، مرتبہ ڈاکٹر عنوان چشتی، صغیر احسنی، موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، دہلی۔) ۱۹۳۰ء میں علی گڑھ میگزین کا سال نامہ شائع ہوا تھا۔ غالباً انھی دونوں کی جانب اشارہ ہے۔

۳۷۔ یہ خط بھی پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا گیا ہے اور بمبئی سیکریٹریٹ کا پتا درج ہے۔

۳۸۔ یہ خط بھی پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا گیا ہے اور بمبئی سیکریٹریٹ کے پتے پر بھیجا گیا تھا۔ حسبِ سابق احسنؔ نے برنی کو مولوی ضیاالدین احمد برنی لکھا ہے۔ اس پر ضروری لفظ لکھ کر دو لائنیں لگائی گئی ہیں۔ افسوس کے احسنؔ نے برنی کے ۷/ اپریل [۱۹۳۵ء] کا تذکرہ مذکورہ خط کی ابتدا میں کیا ہے وہ بازیافت نہیں ہوسکا۔

۳۹۔ سید فضل شاہ، مالک، پیلس ہوٹل، بمبئی۔

۴۰۔ یہ خط بھی پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا گیا ہے اور اس پر بھی بمبئی سیکریٹریٹ کا پتا درج ہے۔

۴۱۔ خط کو فائل کیے جانے کی وجہ سے یہ لفظ سوراخ کی نظر ہوگیا۔

۴۲۔ خط کے اختتام سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط نا تمام ہے۔ احسن مارہروی عموماً خط کے اختتام پر اختتامی الفاظ ضرور لکھتے ہیں اور اپنا تخلص بھی۔ یہ خط بھی برنی کے انتخاب میں جگہ نہیں پاسکا۔ اس خط کے مندرجات سے اندازا ہوتا ہے کہ یہ خط احسنؔ نے مئی میں لکھنا شروع کیا اس درمیان برنی کا محررہ ۱۹۳۵/۹/۱۸ء کا خط پہنچا چناں چہ انھوں نے اس کا جواب بھی شامل کرلیا ہے۔ ان کا یہ لکھنا کہ ''آپ کے خط میں شاہ صاحب کی خفگی کا حال معلوم ہوا۔'' اس امر کی تصدیق کرتا ہے۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

۱۔ احسنی، صغیر، چشتی، عنوان، (۱۹۸۳ء)، ''مکاتیبِ احسن''، جلد دوم، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔

۲۔ اینڈریوز،سی،ایف،(ترجمہ:۱۹۵۲ء)،''تذکرہ مولوی ذکاء اللہ دہلوی''،مترجم:برنی ضیاءالدین احمد،تعلیمی مرکز،کراچی۔
۳۔ برنی،ضیاءالدین احمد،(۱۹۶۱ء)،''عظمتِ رفتہ''،تعلیمی مرکز،کراچی۔
۴۔ جلیسری،صابر حسین خاں،(۱۹۸۹ء)،مولانا احسن مارہروی،آثار وافکار''،انجمن ترقی اردو(پاکستان)،کراچی۔
۵۔ جیلانی،سید انیس شاہ،(مرتب:۱۹۸۱ء)،''محفلے دیدم''،حیرت شملوی اکادمی،رحیم یار خان۔
۶۔ Encyclopaedia of India in Literuture, (1996), vol:5
۷۔ Andrews C.F,(1929),"Zakaullah of Dehli", Cambridge Univeristy of Press, U.k-

رسائل:

۹۔ ''الماس''،سال نامہ،((۲۰۰۷ء)،شمارہ۹،شعبۂ اُردو،شاہ عبداللطیف یونیورسٹی،خیر پور۔
۱۰۔ ''تحقیق نامہ''،سال نامہ،(۲۰۰۶ء۔۲۰۰۵ء)،شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،لاہور۔
۱۱۔ ''علی گڑھ میگزین''،(۱۹۲۰ء)،(۱۹۳۴ء)،مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ۔
۱۲۔ ''کتابی دنیا''،ماہ نامہ،(ستمبر۱۹۵۷ء)،گیدومل لیکھراج روڈ،کراچی۔
۱۳۔ ''ماڈرن ریویو''،کلکتہ۔(بقیہ کوائف دستیاب نہیں ہیں)
۱۴۔ ''نوائے ادب''،سہ ماہی،(اکتوبر۲۰۰۶ء)،انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی۔